اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحسَنَ الحَدِيثِ

الحدیث

حضرو

اکتوبر 2004ء شعبان ۱۴۲۵ھ

مدیر

حافظ زبیر علی زئی

نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

5

- پندرہ شعبان کی رات اور مخصوص عبادت
- فضائلِ سلام
- مصنف عبدالرزاق اور نور والی روایت؟
- نور المصابیح (نمازِ تراویح کی تحقیق)
- اللہ کے مومن بندوں سے محبت

مکتبة الحدیث

حضرو، اٹک: پاکستان

حافظ زبیر علی زئی

بہترین مسلمان؟

اضواء المصابیح

ج ـ "**وعن عبد الله بن عمرو،قال :قال رسول الله ﷺ :المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، والمهاجر من هجر ما نهى الله عنه ' هذا لفظ البخاري،ولمسلم قال :"أن رجلاً سأ ل النبيﷺ :أي المسلمين خير ؟ قال:من سلم المسلمون من لسانه ويده "**

(البخاري : ١٠، مسلم :٦٤/٤٠ مصابيح:٤)

سیدنا عبداللہ بن عمرو (بن العاص:رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:مسلمان وہ ہے جس کی زبان سے اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں،اور مہاجر وہ ہے جو وہ (کام اور چیزیں) چھوڑ دے جن سے اللہ نے منع کیا ہے ، یہ الفاظ (امام) بخاری کے بیان کردہ ہیں۔(امام) مسلم کی روایت میں ہے کہ :ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا:مسلمانوں میں کون (سب سے) بہتر ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

فقہ الحدیث:

۱: کامل مسلمان کی (ایک) نشانی یہ ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہتے ہیں،وہ انہیں ضرر نہیں پہنچاتا،جبکہ منافق کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ نہیں رہتے ،وہ ہر وقت مسلمانوں کو ایذا رسانی میں مصروف رہتا ہے۔

۲: کتاب وسنت میں جو احکامات آتے ہیں ان میں مرد وعورت دونوں شامل ہیں،الا یہ کہ تخصیص کی واضح دلیل ہو۔ اس حدیث میں ''المسلم'' کے مفہوم میں ''المسلمہ'' (مسلمان عورت) بھی شامل ہے ۔

۳: زبان سے محفوظ رکھنے کا مطلب ہے کہ وہ مسلمانوں کو گالی،لعن وطعن،جھوٹ،غیبت،چغلی،بہتان،مذاق اڑانا،ذلیل کرنا اور پروپیگنڈے وغیرہ کا نشانہ نہیں بناتا۔اور ہاتھ سے محفوظ رہنے کا مفہوم یہ ہے کہ:وہ مسلمانوں کو مار کٹائی،قتل وغارت، دھکے دینا،مال وجائیداد کی تباہی اور باطل تحریروں وغیرہ کا نشانہ نہیں بناتا۔

تنبیہ: دلائل کے ساتھ اہلِ باطل پر رد کرنا اس سے مستثنیٰ ہے، بلکہ انتہائی ثواب کا کام ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''فكل من لم يناظر أ هل الإلحاد و البد ع مناظرة تقطع دابر هم ، لم يكن أعطى الإسلام حقه''
پس ہر وہ شخص جو (اپنی استطاعت کے مطابق) ملحدین و مبتدعین سے مناظرہ کر کے انہیں لاجواب نہ کر دے اس نے اسلام کا حق (صحیح) ادا نہیں کیا۔ (درء تعارض العقل والنقل ج ا ص ۳۵۷)
علمائے حق نے ہر دور میں اہل بدعت پر رد کیا ہے جس کے دلائل کتاب و سنت سے ثابت ہیں و الحمد لله
۴: مہاجر کا لفظ ہجرت (جدائی) سے نکلا ہے نفس امارہ اور شیطان سے بچنا، باطنی ہجرت ہے اور فتنوں، بدعتوں، گمراہیوں اور گناہوں سے بچنا ظاہری ہجرت ہے۔
۵: فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
'' والمجاهد من جاهد نفسه في طاعة الله و المهاجر من هجر الخطايا و الذنوب''
مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت میں (خوب) کوشش کرے، اور مہاجر وہ ہے جو غلطیوں اور گناہوں سے دُور رہے۔
(شعب الإیمان للبیہقی: ۱۱۱۲۳ وسندہ حسن و أضواء المصابیح: ۳۴ و صحیح ابن حبان، موارد الظمآن: ۲۵)
یہ روایت الفاظ کے اختلاف اور کمی بیشی کے ساتھ درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے۔
سنن ابن ماجه (٣٩٣٤) ومسند احمد (٢٢،٢١/٦) والمستدرك للحاكم (١١،١٠/١) مسند الشهاب للقضاعي (١٠٩/١ ح ١٣١) و كشف الأستار (مسند البزار: ١١٤٣) و كتاب الإيمان لابن مندة (ح ٣١٥)
۶: ایک صحیح و حسن روایت میں کچھ الفاظ موجود نہ ہوں اور دوسری صحیح یا حسن روایت میں کچھ الفاظ کا اضافہ موجود ہو، اور یہ اضافہ پہلی روایت کے سراسر خلاف نہ ہو، تو الفاظ کے اضافے والی روایت ضعیف نہیں ہو جاتی۔ بلکہ ثقہ کی زیادت جب تک ثقہ راویوں کے خلاف نہ ہو مقبول ہی رہتی ہے جیسا کہ اصول حدیث میں مقرر ہے۔
اس حدیث میں ایمان کے دو اعلیٰ درجوں کا ذکر ہے۔ اس میں مرجیہ وغیرہ کا رد ہے جو ایمان کی کمی و بیشی کے قائل نہیں ہیں اور جن کے نزدیک ایمان اور اسلام سب کا برابر ہوتا ہے، حالانکہ حدیث مذکورہ اور دیگر دلائل سے صاف ثابت ہے کہ ایمان اور اسلام میں لوگوں کے مختلف درجات ہیں۔
تنبیہ: یہ فوائد مرعاۃ المفاتیح وغیرہ سے استفادہ کرتے ہوئے لکھے گئے ہیں۔
*: عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما وہ مشہور صحابی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی احادیث لکھ لیتے تھے۔ سیدنا ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''ما من أصحاب النبي ﷺ أحد أكثر حديثاً عنه مني إلا ما كان من عبدالله بن عمرو فإنه كان يكتب و لا أكتب'' نبی ﷺ کے صحابہ میں مجھ سے زیادہ حدیثیں آپ سے بیان کرنے والا کوئی نہیں سوائے عبداللہ بن عمرو کے وہ (حدیثیں) لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔ (صحیح البخاری: ۱۱۳)
عبداللہ بن عمرو کی لکھی ہوئی کتاب کا نام ''الصحيفة الصادقة'' ہے۔

كلمة الحديث — فیشن کی لہر — حافظ ندیم ظہیر

ہمارا پورا معاشرہ ''فیشن کی لہر'' کی زد میں ہے۔ تعجب ہے کہ! لہر اگر پانی کی ہو یا ہوا کی، ہر ایک اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتا ہے، لیکن یہاں ''فیشن'' کے معاملے میں ہر کوئی ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں کوشاں نظر آتا ہے۔ لڑکے، لڑکیوں جیسا بناؤ سنگھار کرنے میں مصروف ہیں تو لڑکیاں، لڑکوں کا روپ دھارنے میں سرگرم ہیں حالاں کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: **لعن رسو ل اللهﷺ المتشبهين من الرجال بالنسآء والمتشبهات من النسآء بالرجال** (بخاری:۵۸۸۵) یعنی ایسے افعال (عورت، مرد کی مشابہت اختیار کرے یا مرد عورت کی) کرنے والے پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔ ہماری نئی نسل (Generation) کس انداز کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت پر تلی ہوئی ہے اس کا مختصر سا جائزہ پیشِ خدمت ہے۔

عورت کے لئے اسلام کی دعوت بڑی واضح اور عام ہے کہ گلی، محلّہ، بازار تو درکنار گھر یا مسجد میں نماز بھی اس حالت میں پڑھنی ہے کہ (عورت کے) قدم چھپ جائیں (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۲۳۲)

اس کے برعکس آج کی عورت تنگ و باریک اور قصیر لباس میں ملبوس ہے، چھوٹے چاک، ٹخنوں سے اوپر شلوار اور سر پر جوڑا کر کے حتی الوسع اپنے آپ کو نمایاں کرنے کی کوشش کرتی ہے، آج کی ماں، بہن، بیٹی اور بیوی رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کو کیونکر بھول چکی ہے کہ: دو قسم کے لوگ آگ میں جانے والے ہیں جو ابھی تک مجھے نہیں دکھائے گئے (ایک تو) ایسی عورتیں ہیں جو کپڑے پہننے کے باوجود ننگی رہتی ہیں، یہ مائل ہونے والی اور (لوگوں کو) مائل کرنے والی ہیں۔ ان کے سروں پر (جوڑے) بختی اونٹوں کے کوہانوں کی طرح حرکت کرتے ہوں گے۔ یہ جنت کو دیکھیں گی نہ اس کی خوشبو پاسکیں گی الخ (صحیح مسلم: ۲۱۲۵/۱۲۵)

دوسری طرف ہمارے (Clean-shave) نوجوان ہیں جو لمبے بال (لڑکیوں کی طرح) اور ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ حالانکہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے: **ما أسفل من الكعبين من الإزار في النار** (صحیح بخاری: ۵۷۸۷) ازار (وشلوار پاجامے) کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے لٹکا ہو وہ جہنم میں ہوگا۔

خلاصہ: عورتیں اپنے پورے جسم کے ساتھ ساتھ ٹخنے بھی چھپائیں یعنی ''باپردہ'' ہو کر گھر سے نکلیں اور مرد حضرات اپنی شلوار وازار ہمیشہ ٹخنوں سے اوپر رکھیں لیکن ستیاناس ہو ''اس فیشن کا'' کہ مسلمان اس ٹینشن کا شکار ہیں عورتوں کے ٹخنے ننگے اور مرد (اپنی شلواروں سے) اپنے ٹخنے چھپائے پھر رہے ہیں (یہ ہیں مسلماں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود) لیکن ایسے حضرات اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی یاد رکھیں۔ ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو سخت سزا دینے والا ہے۔ (الانفال:۱۳)

پندرہ شعبان کی رات
اور
مخصوص عبادت

نصف شعبان کی رات کی فضیلت میں کئی احادیث ذکر کی جاتی ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ شعبان کی پندرھویں رات کو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور کلب (قبیلے) کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ لوگوں (کے گناہوں) کو بخش دیتا ہے، وغیرہ وغیرہ،

ان احادیث کی وجہ سے، بہت سے لوگ اس رات کو خاص طور پر غیر معمول عبادت کرتے ہیں۔ اس مضمون میں ان روایات کا جائزہ پیشِ خدمت ہے۔

محدث کبیر شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

'' يطلع الله تبارك وتعالىٰ إلى خلقه ليلة النصف من شعبان ، فيغفر لجميع خلقه ، إلا لمشرك أو مشاحن، حديث صحيح ، روي عن جماعة من الصحابة من طرق مختلفة يشد بعضها بعضاً وهم معاذ بن جبل وأبو ثعلبة الخشني وعبد الله بن عمرو وأبي موسى الأشعري وأبي هريرة وأبي‌بكر الصديق وعوف بن مالك وعائشة ''

شعبان کی پندرھوں رات کو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف (خاص طور پر) متوجہ ہوتا ہے پھر مشرک اور (مسلمان بھائی سے) دشمنی، بغض رکھنے والے کے سوا اپنی تمام (مسلمان) مخلوق کو بخش دیتا ہے۔ (السلسلة الصحيحة : ۱۳۵/۳ ح ۱۱۴۴)

شیخ رحمہ اللہ نے جو روایات ذکر کی ہیں ان کی تخریج، بعض اختلاف کے ساتھ، اور ان پر تبصرہ درج ذیل ہے:

۱: حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

اسے (امام) مکحول نے '' عن مالك بن يخامر عن معاذ بن جبل رضي الله عنه '' کی سند سے روایت کیا ہے۔

تخریج: (یعنی یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں اسی سند کے ساتھ موجود ہے)

کتاب السنۃ لابن ابی عاصم (ح:۵۱۲، دوسرا نسخہ:۵۲۴) صحیح ابن حبان (موارد الظمان:۱۹۸۰، الاحسان:۵۶۳۶) أمالي لأبي الحسن القزويني (۲/۴) المجلس السابع لأبي محمد الجوهري (۲/۳) جزء من حديث محمد بن سليمان الربعي (۱/۲۱۷و۱/۲۱۸) الأمالي لأبي القاسم الحسيني (ق۱/۱۲) شعب الإيمان للبيهقي (۳۸۲/۳ ح۳۸۳۳، ۵/ ح۶۶۲۸) تاريخ دمشق لابن عساكر (۴۰/۲۷۱، ۵۷/۷۵) الثالث والتسعين للحافظ عبد الغني المقدسي (ق۲/۴۴) صفات رب العالمين لابن أعجب (۷/۲، ۲/۱۲۹) المعجم الكبير للطبراني

(۲۰/۱۰۸،۱۰۹ح۲۱۵) والأوسط له (۷/۳۹۷ح۶۷۷۲) حلية الأولياء لأبي نعيم الأصبهاني (۵/۱۹۱)

حافظ ذھبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" مكحول لم يلق مالك بن يخامر "

مکحول نے مالک بن یخامر سے ملاقات نہیں کی (الصحیحة: ۳/۱۳۵) یعنی یہ روایت منقطع ہے۔

نتیجہ: یہ سند ضعیف ہے۔اصول حدیث کی کتاب " تيسير مصطلح الحديث " میں لکھا ہوا ہے کہ:

" المنقطع ضعيف بالاتفاق بين العلماء ، وذلك للجهل بحال الراوي المحذوف "

علماء (محدثین) کا اس پر اتفاق ہے کہ منقطع (روایت) ضعیف ہوتی ہے۔یہ اس لئے کہ اس کا محذوف راوی (ہمارے لئے) مجہول ہوتا ہے (ص ۷۸)

۲: حدیث ابی ثعلبہ رضی اللہ عنہ

اسے احوص بن حکیم نے " عن مهاصر بن حبيب عن أبى ثعلبة رضي الله عنه " کی سند سے روایت کیا ہے۔

تخریج: كتاب السنة لابن أبى عاصم (ح ۵۱۱، دوسرا نسخہ ح ۵۲۳) كتاب العرش لمحمد بن عثمان بن أبي شيبة (ح ۸۷ وعنده : بشر بن عمارة عن الأحوص بن حكيم عن المهاصر بن حبيب عن مكحول عن أبي ثعلبة الخ) حديث أبى القاسم الأزجى (۱/۶۷) شرح أصول اعتقاد أهل السنة و الجماعة تصنيف اللالكائي (۳/۴۴۵ ح ۷۶۰) المعجم الكبير للطبرانی (۲۲/۲۲۴ ح ۵۹۳)

اس کا بنیادی راوی احوص بن حکیم: جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

حافظ ابن حجر نے کہا: "ضعيف الحفظ" (تقریب: ۲۹۰)

مھاصر (مھاجر) بن حبیب کی ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔

تنبیہ: کتاب العرش میں مھاصر اور ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ کے درمیان مکحول کا واسطہ آیا ہے۔اس کی سند میں بشر بن عمارہ ضعیف ہے۔(تقریب: ۶۹۷)

المعجم الکبیر للطبرانی (۲۲/۲۲۳ ح ۵۹۰) میں المحاربی، اس کا متابع ہے۔لیکن اس سند کے دو راوی احمد بن النضر العسکری اور محمد بن آدم المصیصی نامعلوم ہیں۔عبدالرحمٰن بن محمد المحاربی مدلس ہے (طبقات المدلسین: ۳/۸۰)

اسے بیہقی نے دوسری سند کے ساتھ "المحاربي عن الأحوص بن حكيم عن المهاجر بن حبيب عن مكحول عن أبي ثعلبة الخشني" کی سند سے روایت کیا ہے (شعب الإيمان : ۳۸۳۲)

۳: حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ،

اسے حسن (بن موسیٰ) نے " حدثنا ابن لهيعة : حدثنا حيي بن عبد الله عن أبي عبد الرحمن الحبلي

عن عبد الله بن عمرو " کی سند سے روایت کیا ہے (مسند احمد: ۲/۶ ۱۷ح ۶۶۴۲)
یہ روایت عبداللہ بن لھیعہ کے اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ابن لھیعہ کے اختلاط کے لئے دیکھئے تقریب التہذیب (۳۵۶۳)
اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ حسن بن موسیٰ نے ابن لھیعہ کے اختلاط سے پہلے اس سے حدیث سنی ہے۔
حافظ المنذری فرماتے ہیں:

" رواه أحمد بإسناد لين " اسے احمد نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(الترغیب والترھیب ۳/۶۰ ۴ح ۴۰۸۰، نیز دیکھئے ۲/۱۱۹ح ۱۵۱۹)

محدث البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

رشدین بن سعد نے ابن لھیعہ کی متابعت کی ہے (حدیث ابن حیویہ ۳/۱۰/۱ او السلسلة الصحيحة ۳/۱۳۶)
عرض ہے کہ رشدین بن سعد بن مفلح المھری، بذاتِ خود: ضعیف ہے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۱۹۴۲)
لہذا یہ روایت دونوں سندوں سے ضعیف ہی ہے، حسن نہیں ہے۔

۴: حدیث ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ،

اسے ابن لھیعہ نے " عن الزبير بن سليم عن الضحاك بن عبد الرحمن عن أبيه قال: سمعت أبا موسى -- " الخ کی سند سے روایت کیا ہے۔
تخریج: ابن ماجہ (۲/۱۳۹۰) السنۃ لابن أبی عاصم (۵۱۰، دوسرا نسخہ: ۵۲۲) السنۃ للالکائی (۳/۴۴۷ح ۷۶۳)
اس سند میں عبدالرحمٰن بن عرزب: مجہول ہے (تقریب: ۳۹۵۰) اسی طرح زبیر بن سلیم بھی مجہول ہے (تقریب: ۱۹۹۶)
بعض کتابوں میں غلطی سے ربیع بن سلیمان اور بعض میں زبیر بن سلیمان چھپ گیا ہے۔
نتیجہ: یہ سند ضعیف ہے۔
تنبیہ: ابن ماجہ کی دوسری سند (۱/۱۳۹۰) میں ابن لھیعہ کے علاوہ ولید بن مسلم: مدلس اور ضحاک بن ایمن: مجہول ہے (تقریب: ۲۹۶۵) یہ سند منقطع بھی ہے۔ لہذا یہ سند بھی ضعیف ہے۔

۵: حدیث ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ،

اسے ھشام بن عبدالرحمٰن نے " الأعمش عن أبي صالح عن أبي هريرة رضي الله عنه " کی سند سے روایت کیا ہے۔
تخریج: كشف الأستار عن زوائد البزار (۲/۴۳۶ح ۲۰۴۶) والعلل المتناهية لابن الجوزي (۲/۷۰ح ۹۲۱)
اس کا راوی ھشام بن عبدالرحمٰن نامعلوم العدالت یعنی مجہول ہے،
حافظ ہیثمی لکھتے ہیں کہ: " ولم أعرفه " اور میں نے اسے نہیں پہچانا (مجمع الزوائد ۸/۶۵)

نتیجہ: یہ سند ضعیف ہے۔

۶: حدیث ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ

اسے عبدالملک بن عبدالملک نے " عن مصعب بن أبي ذئب عن القاسم بن محمد عن أبيه أو عمه عن أبي بكر الصديق رضى الله عنه " کی سند سے روایت کیا ہے۔

تخریج: كشف الأستار (۴۳۵/۲ ح ۲۰۴۵) كتاب التوحيد لابن خزيمة (ص۱۳۶ ح ۲۰۰) السنة لابن أبي عاصم (۵۰۹، دوسرانسخہ: ۵۲۱) السنة للالكائي (۴۳۸/۳، ۴۳۹ ح ۷۵۰) أخبار أصبهان لأبی نعيم (۲/۲) والبيهقي (في شعب الإيمان: ۳۸۲۷)

اس سند میں عبدالملک بن عبدالملک پر جمہور محدثین نے جرح کی ہے۔

حافظ ابن حبان نے کہا:

" منكر الحديث جداً" یہ سخت منکر حدیثیں بیان کرنے والا ہے۔ (کتاب المجروحین: ۱۳۶/۲)

امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا:

''فيه نظر'' یہ متروک و متہم ہے (التاریخ الکبیر ۴۲۴/۵) امام دارقطنی نے کہا: متروک (سوالات البرقاني: ۳۰۴)

مصعب بن أبي ذئب بھی غیر موثق و غیر معروف ہے، دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل (۳۰۷/۸ ت ۱۴۱۸)

نتیجہ: یہ سند ضعیف ہے۔

۷: حدیث عوف بن مالک رضی اللہ عنہ،

اسے ابن لھیعہ نے " عن عبد الرحمن بن أنعم عن عبادة بن نسي عن كثير بن مرة عن عوف بن مالك رضى الله عنه " کی سند سے روایت کیا ہے۔

تخریج: كشف الأستار (۴۳۶/۲ ح ۲۰۴۸) والمجلس السابع لأبی محمد الجوهری (الصحيحة: ۱۳۷/۳)

اس روایت میں عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا: " ضعيف فى حفظه ۔۔وكان رجلاً صالحاً" (تقریب: ۳۸۶۲)

۸: حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا

اسے حجاج بن ارطاۃ نے " عن يحيى بن أبي كثير عن عروة عن عائشة رضى الله عنها" کی سند سے روایت کیا ہے۔

تخریج: سنن الترمذی (١٠٦/١ ح ٧٣٩) ابن ماجه (١٣٨٩) احمد (٢٣٨/٦ ح ٢٦٥٤٦) ابن ابی شیبه (المصنف: ٤٣٨/١٠ ح ٢٩٨٤٩) عبد بن حمید (١٥٠٧) البیهقی فی شعب ا لإیمان (٣٨٢٤) والعلل المتناهیة (٦٦/٢ ح ٩١٥)

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ:

''میں نے امام بخاری کو یہ فرماتے سنا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اسے یحیی (بن ابی کثیر) نے عروہ سے نہیں سنا اور نہ حجاج بن ارطاۃ نے اسے یحیی (بن ابی کثیر) سے سنا ہے'' (الترمذی: ۷۳۹)

حجاج بن ارطاۃ ضعیف عندالجمہور اور مدلس راوی ہے، یحیی بن ابی کثیر بھی مدلس ہیں۔

نتیجہ: یہ سند ضعیف ہے، اس روایت کے تین ضعیف شواہد بھی ہیں:

اول: العلل المتناھیہ (۶۷/۲، ۶۸ ح ۹۱۷)

اس میں سلیمان بن ابی کریمہ ضعیف ہے وہ منکر روایات بیان کرتا تھا، دیکھئے لسان المیزان (۱۰۲/۳)

دوم: العلل المتناھیہ (۶۸/۲، ۶۹ ح ۹۱۸)

اس میں سعید بن عبدالکریم الواسطی کا ثقہ ہونا نامعلوم ہے، دیکھئے لسان المیزان (۳۶/۳)

سوم: العلل المتناھیہ (۶۹/۲ ح ۹۱۹)

اس میں عطاء بن عجلان کذاب ومتروک ہے دیکھئے الکشف الحثیث عمن رمي بوضع الحدیث (ص ۲۸۹) تقریب التہذیب (۴۵۹۴) خلاصہ یہ کہ یہ تینوں شواہد بھی مردود ہیں۔

۹: حدیث علی رضی اللہ عنہ،

اسے ابن ابی سبرہ نے " **عن إبراهيم بن محمد عن معاوية بن عبد الله بن جعفر عن أبيه عن علي بن أبي طالب رضی الله عنه** '' کی سند سے بیان کیا ہے۔

تخریج: ابن ماجہ (۱۳۸۸) العلل المتناھیۃ (۷۱/۲ ح ۹۲۳)

اس میں ابوبکر بن ابی سبرۃ کذاب ہے دیکھئے تقریب التہذیب (۷۹۷۳)

نتیجہ: یہ روایت موضوع ہے۔

تنبیہ: سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس مفہوم کی دیگر موضوع ومردود روایات بھی مروی ہیں۔ دیکھئے الموضوعات لابن الجوزی (۱۲۷/۲) میزان الاعتدال (۱۲۰/۳) واللآلی المصنوعۃ (۶۰/۲)

۱۰: حدیث کردوس رضی اللہ عنہ

اسے عیسی بن ابراھیم القرشی نے " **عن سلمة بن سليمان الجزري عن مروان بن سالم عن ابن كردوس**

عن أبيه '' کی سند سے بیان کیا ہے(کتاب العلل المتناھیۃ: ۲/۷۱، ۲۷ ح ۹۲۴)
اس میں عیسی بن ابراھیم منکر الحدیث متروک ہے، مروان بن سالم متروک متہم ہے اور سلمۃ کا ثقہ ہونا نا معلوم ہے۔
نتیجہ: یہ سند موضوع ہے۔

۱۱: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ

اسے صالح الشمومی نے " عن عبد الله بن ضرار عن يزيد بن محمد عن أبيه محمد بن مروان عن ابن عمر رضي الله عنه '' کی سند سے روایت کیا ہے۔(الموضوعات لابن الجوزی ۲/۱۲۸)
اس سند میں صالح، عبداللہ بن ضرار، یزید اور محمد بن مروان سب نامعلوم العدالت یعنی مجہول ہیں، حافظ ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ: ہمیں اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے(الموضوعات ۲/۱۲۹)

۱۲: حدیث محمد بن علی الباقر رحمہ اللہ

اسے علی بن عاصم (ضعیف) نے " عمرو بن مقدام عن جعفر بن محمد عن أبيه" کی سند سے روایت کیا ہے(الموضوعات: ۲/۱۲۸، ۱۲۹) عمرو بن ابی المقدام رافضی متروک راوی ہے، سیوطی نے کہا: یہ سند موضوع ہے(اللآلی المصنوعۃ ۲/۵۹)
علی بن عاصم سے نیچے والی سند میں بھی نظر ہے۔

۱۳: حدیث ابی بن کعب رضی اللہ عنہ،

اسے ابن عسا کر نے نامعلوم راویوں کے ساتھ '' محمد بن حازم عن الضحاك بن مزاحم عن أبي بن كعب '' کی سند سے بیان کیا ہے، دیکھئے ذیل اللآلی المصنوعۃ (ص۱۱۲، ۱۱۳) یہ روایت منقطع ہونے کے ساتھ موضوع بھی ہے۔

۱۴: مکحول تابعی رحمہ اللہ کا قول

امام مکحول رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:
''إن الله يطلع على أهل الأرض في النصف من شعبان فيغفرلهم إلا لرجلين إلا كافراً أومشاحن ''
پندرہ شعبان کو اللہ تعالی زمین والوں کی طرف (خاص طور پر) متوجہ ہوتا ہے پھر وہ، کافر اور ایک دوسرے سے دشمنی رکھنے والے کے سوا سب لوگوں کو بخش دیتا ہے(شعب الإیمان للبیہقی ۳/۳۸۱ ح ۳۸۳۰)
یہ سند حسن ہے لیکن یہ حدیث نہیں ہے بلکہ امام مکحول کا قول ہے۔ معلوم ہوا کہ مکحول کے قول کو ضعیف و مجہول راویوں نے مرفوع حدیث کے طور پر بیان کر رکھا ہے، مکحول کے قول کو مرفوع حدیث بنا دینا صحیح نہیں ہے اور اگر بنا دیا جائے تو مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

خلاصۃ التحقیق: پندرہ شعبان والی کوئی روایت بھی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے ثابت نہیں ہے۔

محققین کا فیصلہ: ابوبکر بن العربی لکھتے ہیں: '' **وليس في ليلة النصف من شعبا ن حديث يعول عليه لافي فضلها و لافي نسخ الآجال فيها ، فلا تلتفتوا إليها** '' یعنی: نصف شعبان کی رات اور فضیلت کے بارے میں کوئی حدیث قابل اعتماد نہیں ہے اور اس رات کو موت کے فیصلے کی منسوخی کے بارے میں بھی کوئی حدیث قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ پس آپ ان (نا قابل اعتماد) احادیث کی طرف (ذرہ بھی) التفات نہ کریں۔ (احکام القرآن ۴/۱۶۹۰)

حافظ ابن القیم لکھتے ہیں: لا يصح منها شئ ، یعنی پندرہ شعبان کی رات کو خاص نماز والی روایتوں میں سے کوئی چیز بھی ثابت نہیں ہے۔ (المنار المنیف ص ۹۸، ۹۹)

حافظ ابن القیم مزید فرماتے ہیں کہ:

'' تعجب ہے اس شخص پر، جس کو سنت کی سوجھ بوجھ ہے، وہ بھی یہ ھذیان سن کر ایسی (عجیب وغریب) نماز پڑھتا ہے (یعنی سو رکعت ایک ہزار سورہ اخلاص کے ساتھ) (ایضاً ص ۹۹)

حسن لغیرہ!؟

محدث کبیر شیخ البانی رحمہ اللہ نے پندرہ شعبان والی روایت کو تعدد طرق کی وجہ سے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ روایت '' **صحيح لغيره** '' کے درجہ تک نہیں پہنچتی، اس کی ایک سند بھی صحیح یا حسن لذاتہ نہیں ہے تو یہ کس طرح صحیح لغیرہ بن گئی؟

بعض کہتے ہیں کہ یہ روایت حسن لغیرہ ہے، عرض ہے کہ حسن لغیرہ کی دو قسمیں ہیں:

۱: ایک ضعیف سند والی روایت بذاتِ خود ضعیف ہے، جبکہ دوسری روایت حسن لذاتہ ہے۔ یہ سند اس حسن لذاتہ کے ساتھ مل کر حسن ہوگئی۔

۲: ایک ضعیف سند والی روایت بذاتِ خود ضعیف ہے اور اس مفہوم کی دوسری ضعیف و مردود روایات موجود ہیں، بعض علماء اسے حسن لغیرہ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بھی ضعیف حدیث کی ایک قسم ہے۔

دلیل نمبر ۱: قرآن وحدیث واجماع سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہے کہ ضعیف + ضعیف + ضعیف = حسن لغیرہ، کا حجت ہونا ثابت ہو،

دلیل نمبر ۲: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایسی روایت کا حجت ہونا ثابت نہیں ہے۔

دلیل نمبر ۳: تابعین کرام رحمہم اللہ سے ایسی روایت کا حجت ہونا ثابت نہیں ہے۔

دلیل نمبر ۴: امام بخاری وامام مسلم وغیرہما سے ایسی روایت کا حجت ہونا ثابت نہیں ہے۔

دلیل نمبر ۵: امام ترمذی رحمہ اللہ کے علاوہ عام محدثین سے ایسی ''حسن لغیرہ'' روایت کا حجت ہونا ثابت نہیں ہے۔

مثلاً محمد بن ابی لیلیٰ (ضعیف) نے '' **عن أخيه عيسى عن الحكم عن عبد الرحمن بن أبي ليلىٰ عن**

البراء بن عازب '' ترکِ رفع یدین کی ایک حدیث بیان کی ہے (سنن ابی داؤد: ۷۵۲) اس کی سند ضعیف ہے۔ اور اس کے متعدد ضعیف شواھد ہیں، مثلاً دیکھئے سنن ابی داؤد (۷۴۹، ۷۴۸) ان تمام شواھد کے باوجود امام ابوداؤد فرماتے ہیں:

''هذا الحديث ليس بصحيح '' یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ (ابوداؤد: ۷۵۲)

عام نماز میں ایک طرف سلام پھیرنے کی کئی روایات ہیں، دیکھئے الصحیحۃ للشیخ الألبانی رحمہ اللہ (۵۶۴/۱۔۵۶۶ح ۳۱۶) ان میں سے ایک روایت بھی صحیح یا حسن لذاتہ نہیں ہے۔

ان روایات کے بارے میں حافظ ابن عبدالبر کہتے ہیں:

''إلا أنها معلولة ولا يصححهاأهل العلم بالحديث ''

مگر یہ سب روایات معلول (ضعیف) ہیں، علمائے حدیث انہیں صحیح قرار نہیں دیتے۔ (زاد المعاد ج ا ص ۲۵۹)

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ:

'' ولكن لم يثبت عنه ذلك من وجه صحيح ''

لیکن آپ (ﷺ) سے صحیح سند کے ساتھ یہ ثابت نہیں ہے (ایضاً ص ۲۵۹)

دلیل نمبر ٦: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

'' يكفى في المناظرة تضعيف الطريق التي أبداها المناظر وينقطع، إذالأصل عدم ماسواها، حتى يثبت بطريق أخرى ، والله أعلم ''

یعنی: مناظرے میں یہ کافی ہے کہ مخالف کی بیان کردہ سند کا ضعیف ہونا ثابت کر دیا جائے، وہ لاجواب ہو جائے گا، کیونکہ اصل یہ ہے کہ دوسری تمام روایات معدوم (وباطل) ہیں الا یہ کہ دوسری سند سے ثابت ہو جائیں، واللہ اعلم

(اختصار علوم الحدیث ص ۸۵ نوع: ۲۲، دوسرا نسخہ ۲۷۴/۱، ۲۷۵ وعنہ نقلہ السخاوی فی فتح المغیث ۲۸۷/۱ فی معرفة من تقبل روايته ومن ترد)

دلیل نمبر ۷: ابن القطان الفاسی نے حسن لغیرہ کے بارے میں صراحت کی ہے کہ:

'' لايحتج به كله بل يعمل به فى فضائل الأعمال ـ ـ''الخ

اس ساری کے ساتھ حجت نہیں پکڑی جاتی بلکہ فضائل اعمال میں اس پر عمل کیا جاتا ہے (النکت علی کتاب ابن الصلاح: ۴۰۲/۱)

دلیل نمبر ۸: حافظ ابن حجر نے ابن القطان کے قول کو '' حسن قوی '' قرار دیا ہے (النکت ۴۰۲/۱)

دلیل نمبر ۹: حنفی وشافعی وغیرھما علماء جب ایک دوسرے پر رد کرتے ہیں تو ایسی حسن لغیرہ روایت کو حجت تسلیم نہیں کرتے

مثلاً کئی ضعیف سندوں والی ایک روایت '' من كان له إمام فقراء ة الإمام له قراء ة '' کے مفہوم والی روایت کو علامہ
نووی نے ضعیف قرار دیا ہے (خلاصہ الاحکام ج ا ص ۳۷۷ ح ۱۱۷۳، فصل فی ضعیفه)
کئی سندوں والی فاتحہ خلف الامام کی روایات کو نیموی حنفی نے معلول وغیرہ قرار دے کر رد کر دیا ہے دیکھئے آثار السنن
(ح ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶)

دلیل نمبر ۱۰: جدید دور میں بہت سے علماء کئی سندوں والی روایات، جن کا ضعف شدید نہیں ہوتا، پر جرح کر کے ضعیف و
مردود قرار دیتے ہیں مثلاً '' **محمد بن إسحاق عن مكحول عن محمود بن الربيع عن عبادة بن الصامت** ''
والی روایت، جس میں فاتحہ خلف الامام کا ثبوت موجود ہے، کے بارے میں محدث البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''**ضعیف**''
(تحقیق سنن ابی داود: ۸۲۳ مطبوعہ مکتبۃ المعارف، الریاض)
حالانکہ اس روایت کے بہت سے شواہد ہیں دیکھئے کتاب القرأت للبیہقی والکواکب الدریۃ فی وجوب الفاتحۃ خلف الامام
فی الجہریۃ لراقم الحروف، ان کئی سندوں و شواہد کے باوجود شیخ البانی رحمہ اللہ اسے حسن لغیرہ (!) تک تسلیم نہیں کرتے۔
(حالانکہ فاتحہ خلف الإمام والی روایت حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ ہے والحمد للہ)
خلاصہ یہ کہ نصف شعبان والی روایت ضعیف ہی ہے۔

((ضعیف حدیث پر فضائل میں عمل))

بعض لوگ فضائل میں (جب مرضی کے مطابق ہوں تو) ضعیف روایات کو حجت تسلیم کرتے ہیں اور ان پر عمل کے قائل و
فاعل ہیں لیکن محققین کا ایک گروہ ضعیف حدیث پر مطلقاً عمل نہ کرنے کا قائل و فاعل ہے، یعنی احکام و فضائل میں ان کے
نزدیک ضعیف حدیث نا قابل عمل ہے۔ جمال الدین قاسمی (شامی) نے ضعیف حدیث کے بارے میں پہلا مسلک
یہ نقل کیا ہے کہ:
''احکام ہوں یا فضائل، اس پر عمل نہیں کیا جائے گا، اسے ابن سید الناس نے عیون الاثر میں ابن معین سے نقل کیا ہے۔ اور
(سخاوی نے) فتح المغیث میں ابوبکر بن العربی سے منسوب کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ امام بخاری و امام مسلم کا یہی مسلک ہے
صحیح بخاری کی شرط اس پر دلالت کرتی ہے۔ امام مسلم نے ضعیف حدیث کے راویوں پر سخت تنقید کی ہے جیسا کہ ہم نے
پہلے لکھ دیا ہے۔ دونوں اماموں نے اپنی کتابوں میں ضعیف روایات میں سے ایک روایت بھی فضائل و مناقب میں نقل
نہیں کی'' (قواعد التحدیث ص ۱۱۳، الحدیث حضرو: ۴ ص ۷) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مرسل روایات کو سننے کے ہی
قائل نہ تھے (دیکھئے مقدمۃ صحیح مسلم ح: ۲۱ والنکت علی کتاب ابن الصلاح ۲/ ۵۵۳) معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما
ضعیف حدیث کو فضائل میں بھی حجت تسلیم نہیں کرتے تھے۔
حافظ ابن حبان فرماتے ہیں:

" كأن ماروى الضعيف ومالم يرو فى الحكم سيان "

گویا کہ ضعیف جو روایت بیان کرے اور جس روایت کا وجود ہی نہ ہو، وہ دونوں حکم میں ایک برابر ہیں (کتاب المجروحین: ۱/۳۲۸ ترجمہ سعید بن زیاد بن قائد)

مروان (بن محمد الطاطری) کہتے ہیں کہ میں نے (امام) لیث بن سعد (المصری) سے کہا:

'' آپ عصر کے بعد کیوں سو جاتے ہیں جبکہ ابن لھیعہ نے ہمیں عن عقيل عن مكحول عن النبى ﷺ کی سند سے حدیث بیان کی ہے کہ: جو شخص عصر کے بعد سو جائے پھر اس کی عقل زائل ہو جائے تو وہ صرف اپنے آپ کو ہی ملامت کرے۔

لیث بن سعد نے جواب دیا:

" لا أدع ماينفعني بحديث ابن لهيعة عن عقيل "

مجھے جس چیز سے فائدہ پہنچتا ہے، میں اسے ابن لھیعہ کی عقیل سے حدیث کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتا'' (الکامل لابن عدی: ۴/۱۴۶۳ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ امام لیث بن سعد بھی ضعیف حدیث پر فضائل میں عمل نہیں کرتے تھے۔

تنبیہ: ابن لھیعہ ضعیف بعد اختلاط و مدلس ہے اور یہ سند مرسل ہے لہذا ضعیف ہے۔

حافظ ابن حجر العسقلانی فرماتے ہیں کہ:

" ولا فرق في العمل بالحديث في الأحكام أوفى الفضائل إذ الكل شرع"

احکام ہوں یا فضائل، ضعیف حدیث پر عمل کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ یہ سب (اعمال) شریعت ہیں۔

(تبیین العجب بماورد فی فضائل رجب ص۷۳)

آخر میں عرض ہے کہ پندرھویں شعبان کو خاص قسم کی نماز مثلاً سو (۱۰۰) رکعتیں مع ہزار (۱۰۰۰) مرتبہ سورہ اخلاص، کسی ضعیف روایت میں بھی نہیں ہے۔ اس قسم کی تمام روایات موضوع اور جعلی ہیں۔

تنبیہ: نزول باری تعالیٰ ہر رات کو پچھلے پہر ہوتا ہے جیسا کہ صحیحین وغیرہما کی متواتر احادیث سے ثابت ہے، ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اس کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں، وہی بہتر جانتا ہے۔

وماعلينا إلا البلاغ

توضیح الاحکام

''محترم فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:۔
اللہ سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں قرآن وسنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ محترم الشیخ مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے ایک روایت جو حنفی بریلوی حضرات پیش کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''اے جابر اللہ نے سب سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا کیا۔۔۔''

اس روایت کے بارے میں علمائے اہلحدیث کا کہنا ہے کہ یہ روایت نہ مصنف عبدالرزاق میں ہے اور نہ تفسیر عبدالرزاق میں ہے۔

ہمارے ضلع گجرات سے ایک رسالہ ''اہلسنت'' بریلویوں کا شائع ہوتا ہے اس رسالے میں انھوں نے دعوی کیا ہے کہ حدیث جابر ہمیں مل گئی ہے اور لکھا ہے کہ یہ نسخہ جس میں یہ روایت موجود ہے افغانستان میں دستیاب ہوا ہے کیا افغانستان والا نسخہ اصل نسخہ ہے یا یہ حنفیوں کے ہاتھ کا کمال ہے کیونکہ حنفیوں نے اپنے مقاصد کے لئے قرآن وحدیث میں تحریف کی ہے اور اس رسالے کے سرورق پر لکھا ہوا ہے کہ: [''حدیث نور'' کا مخطوطہ دریافت کرلیا گیا]
ان الفاظ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس سے پہلے یہ دریافت نہیں ہوا تھا بلکہ یہ تازہ تازہ مارکیٹ میں آیا ہے۔
الشیخ آپ برائے مہربانی اس کی تحقیق کریں اور اصل حقائق سے لوگوں کو روشناس کریں (جزاکم اللہ خیراً)
میں آپ کو ''اہلسنت'' رسالہ بھیج رہا ہوں اس کے صفحہ ۳ پر یہ مضمون موجود ہے۔

سوال نمبر۲: ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ وہ مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد فوراً گھر چلے جاتے تھے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا: یارسول اللہ ﷺ یہ روزانہ جلدی جلدی گھر چلے جاتے ہیں تو آپ ﷺ نے دریافت کیا تو وہ صحابی کہنے لگے کہ میرے پاس اور میری بیوی کے پاس صرف ایک چادر ہے جس میں مَیں اور میری بیوی نماز ادا کرتے ہیں جب وہ چادر لے کر میں مسجد میں آجاتا ہوں تو میری بیوی گھر میں برہنہ حالت میں بیٹھی رہتی ہے اس لئے میں مغرب کے وقت جلدی جلدی گھر چلا جاتا ہوں کیونکہ اس نماز کا وقت کم ہوتا ہے جب میں جاتا ہوں تو یہ چادر اپنی بیوی کو دیتا ہوں پھر وہ اس میں نماز ادا کرتی ہیں نبی ﷺ نے فرمایا اگر کوئی جنتی جوڑا دیکھنا چاہتے ہو تو اس جوڑے کو دیکھ لو، پھر آپ ﷺ نے انھیں اونٹ دیئے،

جب وہ گھر پہنچے تو ان کی بیوی نے کہا: یا مجھے ساتھ رکھ لیں یا اونٹوں کو پاس رکھ لیں، انہوں نے اونٹ واپس کر دیئے۔ اس واقعہ کو قاری عبدالحفیظ فیصل آبادی خطیب جماعت اہلحدیث نے اپنی کیسٹ میں بیان کیا ہے کیا یہ واقعہ کسی حدیث کی کتاب میں موجود ہے اگر ہے تو یہ واقعہ سند کے اعتبار سے کیسا ہے اس کی سند کیسی ہے، اس کے بارے میں آگاہ فرمائیں۔ (جزاکم اللہ خیراً) اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن سنت کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خرم ارشاد محمدی

مین بازار دولت نگر تحصیل وضلع گجرات

''(2-8-2004)

الجواب: اس کا جواب ایک تحقیقی مقالے کی صورت میں پیشِ خدمت ہے۔

((قلمی اور مطبوعہ کتابوں سے استدلال کی شرائط))

الحمدلله رب العالمين ، والصلوة والسلام على رسوله الأمين ، أما بعد :

قرآن مجید، اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو اس نے اپنے بندے اور رسول: محمد ﷺ پر نازل فرمائی اور مسلمانوں کے ہاتھوں اور سینوں میں بعینہ و من وعن محفوظ ہے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ من وعن اور بعینہ محفوظ ہیں۔ ان دونوں کتابوں کی صحت پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ دیکھئے علوم الحدیث لابن الصلاح (ص ۴۱، ۴۲) واختصار علوم الحدیث (ص ۱۲۴، ۱۲۸)

شاہ ولی اللہ الدہلوی الحنفی فرماتے ہیں کہ: ''صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں تمام محدثین متفق ہیں کہ ان میں تمام کی تمام متصل اور مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اپنے مصنفین تک بالتواتر پہنچی ہیں، جو ان کی عظمت نہ کرے وہ بدعتی ہے جو مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے'' (حجۃ اللہ البالغہ، اردو: ۱/ ۲۴۲ مترجم: عبدالحق حقانی)

ان تینوں کتابوں کے علاوہ دنیا کی کسی کتاب سے بھی استدلال کرنے کے لئے درج ذیل شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

۱: صاحبِ کتاب ثقہ وصدوق ہو، مثلاً امام ابوداود (صاحب السنن) امام ترمذی (صاحب الجامع) امام نسائی (صاحب المجتبیٰ والکبریٰ) امام ابن ماجہ (صاحب السنن) امام مالک (صاحب المؤطا) وغیرہم ثقہ بلکہ فوق الثقہ تھے۔

اگر صاحبِ کتاب ثقہ وصدوق نہ ہو بلکہ مجروح و مجہول وساقط العدالت ہو تو اس کی کتاب سے استدلال باطل ہو جاتا ہے مثلاً احمد بن مروان بن محمد الدینوری صاحب **المجالسة و جواهر العلم** (یضع الحدیث: لسان المیزان ۱/ ۳۰۹ وثقہ مسلمۃ ومسلمۃ مجروح) الدولابی صاحب الکنیٰ (ضعیف) محمد بن الحسن الشیبانی صاحب المؤطا (کذاب بقول ابن معین) ابوجعفر الکلینی صاحب الکافی (رافضی غیر موثق) یہ سب ساقط العدالت تھے لہذا ان کی کتابوں سے استدلال

مردود ہے۔

۲: کتاب کے مخطوطے کا ناسخ وکاتب: ثقہ وصدوق ہو،

حافظ ابن الصلاح الشہر زوری فرماتے ہیں کہ:

''وهو أن يكون ناقل النسخة من الأصل غير سقيم النقل ، بل صحيح النقل ، قليل السقط ''

اور (تیسری) شرط یہ ہے کہ اصل کتاب سے نسخے کا ناقل (کاتب وناسخ) غلط نقل کرنے والا نہ ہو، بلکہ صحیح نقل کرنے اور کم غلطیاں کرنے والا ہو، (علم الحدیث لابن الصلاح ص۳۰۳، نوع:۲۵)

اس شرط سے معلوم ہوا کہ اگر کتاب کا کاتب غیر ثقہ یا مجہول ہوتو اس کتاب سے استدلال جائز نہیں ہے۔

حبیب الرحمٰن اعظمی دیوبندی کی تحقیق سے چھپی ہوئی مسند الحمیدی کے مخطوطے (مخطوطہ دیوبندیہ، نوشتہ ۱۳۲۴ھ) اور نسخہ سعیدیہ (نوشتہ ۱۳۱۱ھ) کے کاتبین کا ثقہ صدوق ہونا نامعلوم ہے، ان کے نسخوں کے مطالعے سے صاف واضح ہوتا ہے کہ یہ دونوں حضرات کثیر الغلط ہیں۔ مسند حمیدی للاعظمی کے نسخے کا کوئی صفحہ بھی نکالیں، غلطیوں اور تصاحیف سے بھرا ہوا ہے مثلاً

ص۱ پر لکھا ہوا ہے کہ " في الأصل :يزيد ، والصواب زيد" یعنی اس نسخے کی ابتدا ہی غلط ہے۔

ایک جگہ اعظمی صاحب خود لکھتے ہیں:

''في الأصل :تقوت ،وهي محرفة '' (مسند الحمیدی ۱/۱۵ تحت ح۲۴)

یعنی اصل میں ''تقوت'' کا لفظ محرف ہے، تحریف ہوگئی ہے۔

عرض ہے کہ ایسی محرف کتابوں سے وہی لوگ استدلال کرتے ہیں جو تحریفات واکاذیب سے محبت رکھتے ہیں۔

۳: ناسخ مخطوطہ سے صاحب کتاب تک سند صحیح ہو، مثلاً

ابن ابی حاتم الرازی کی کتاب ''اصول الدین'' کی سند، صاحب مخطوطہ سے لے کر ابن ابی حاتم تک صحیح ہے۔

(دیکھئے الحدیث حضرو، ج۱ شمارہ:۲ ص۴۱)

جبکہ شرح السنہ للبربہاری کی سند میں دوراوی مجروح ہیں۔

اول: غلام خلیل کذاب ہے (الحدیث:۲ ص۲۵)

دوم: قاضی احمد بن کامل متساھل (ضعیف) ہے (ایضاً ص۲۵)

لہذا اس کتاب (شرح السنہ للبربہاری: مطبوع ومخطوط) سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

۴: مخطوطہ (کتاب کے قلمی نسخے) کا محل وقوع، خط، تاریخ نسخ پہچاننا اور قدامت کی تحقیق ضروری ہے، جو نسخہ پرانا اور قلیل الغلط ہو، اسے بعد والے تمام نسخوں پر فوقیت حاصل ہے۔

۵: نسخہ پر علمائے کرام اور ائمہ دین کے سماعات ہوں، مثلاً مسند حمیدی کا مخطوطہ ظاہریہ، نسخہ دیو بندیہ و نسخہ سعیدیہ سے قدیم ترین (نوشتہ ۶۸۹ھ) ہے اور اس پر جلیل القدر علماء کے سماعات بھی ہیں، اور قلیل الغلط بھی ہے لہذا ان دونوں (دیو بندیہ وسعیدیہ) پر فوقیت حاصل ہے۔

(سماع کی جمع سماعات ہے۔ جب ایک قلمی نسخہ علماء کرام خود پڑھتے یا انہیں سنایا جاتا تو وہ اس پر لکھ دیتے تھے کہ یہ فلاں فلاں نے پڑھایا سنا ہے، اسے سماعات کہتے ہیں)

۶: نسخہ علماء کے درمیان مشہور ہو،

آج اگر کوئی شخص افغانستان، قزاقستان، گرجستان وغیرہ کے کسی کونے کھدرے سے خود ساختہ نسخہ پیش کر کے شور مچانا شروع کر دے کہ مخطوطہ مل گیا ہے تو علمی میدان میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

۷: اس کتاب کے دیگر نسخوں کو مدنظر رکھا جائے مثلاً قاسم بن قطلوبغا (کذاب) نے مصنف ابن ابی شیبہ کے ایک (نامعلوم) نسخہ سے " تحت السرة" کے اضافے والی حدیث نقل کی ہے جبکہ مصنف ابن ابی شیبہ کے دیگر نسخوں میں یہ اضافہ قطعاً موجود نہیں ہے خلیل احمد سہارنپوری دیو بندی صاحب ایک اصول سمجھاتے ہیں کہ:

اگر ایک عبارت بعض نسخوں میں ہو اور بعض میں نہ ہو تو: " فعلی هذا هذه العبارة مشكوك فيها"

اس طرح سے یہ عبارت مشکوک ہو جاتی ہے۔ (بذل المجہود ۴/ ۴۸۷ تحت ح: ۴۸۷)

۸: اس کتاب کی عبارات وروایات کا ان کتابوں سے مقارنہ کیا جائے جن میں اس کتاب سے روایت یا نقل موجود ہے، مثلاً سنن ابی داود کی احادیث کا السنن الکبریٰ للبیہقی میں احادیث ابی داود سے مقارنہ ومقابلہ کیا جائے۔ امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ امام ابوداود سے روایتیں نقل کرتے ہیں۔

۹: یہ بھی شرط ہے کہ علمائے کرام اور محدثین عظام سے نسخہ مذکورہ پر طعن وجرح نہ کر رکھی ہو،

۱۰: صاحب کتاب سے اگر کتاب صحیح وثابت ہو تو پھر بھی یہ شرط ضروری ہے کہ:

صاحب کتاب سے کر صاحبِ قول یا صاحبِ روایت تک سند صحیح یا حسن لذاتہ ہو۔ ان شرائط میں اگر ایک شرط بھی موجود نہ ہو تو اس کتاب کی روایت اسے استدلال کرنا باطل ومردود ہو جاتا ہے۔

تنبیہ: محمد محبّ اللہ نوری بریلوی نے دعویٰ کیا ہے کہ:

''حال ہی میں فضیلۃ الشیخ عیسیٰ مانع (سابق منسٹر اوقاف دبئ) اور اہلسنت کے نامور عالم دین اور محقق حضرت علامہ محمد عباس رضوی کی جستجو سے ''مصنف عبدالرزاق'' کا مخطوطہ افغانستان سے دستیاب ہوا ہے، جس میں ''تخلیق نور محمدی'' پر مستقل باب موجود ہے اور اس میں ''حدیث جابر'' کم وبیش پانچ سندوں کے ساتھ درج ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ کوئی اشاعتی ادارہ اس مخطوطہ کی شایان شان اشاعت کا اہتمام کر دے'' (ماہنامہ اہلسنت گجرات، اگست 2003ء ص4)

عرض ہے کہ بریلوی ودیوبندی دونوں گروہ، اہل سنت نہیں ہیں، ان کے اصول وعقائد اہل سنت سے مختلف ہیں،

تنبیہ: بریلوی ودیوبندی حضرات حنفی بھی نہیں ہیں۔

مصنف عبدالرزاق کے اس نودریافت شدہ مخطوطے سے استدلال اسی وقت کیا جاسکتا ہے جب اس میں درج ذیل شرائط موجود ہوں۔

۱: ناسخ مخطوطہ ثقہ وصدوق ہو۔

۲: اس بات کا ثبوت ہو کہ یہ مخطوطہ واقعی اسی ناسخ نے لکھا ہے۔

۳: صاحب ناسخ مخطوطہ سے کر امام عبدالرزاق تک سند صحیح وحسن ہو،

۴: امام عبدالرزاق سے لے کر رسول اللہ ﷺ یا صاحبِ قول تک سند صحیح وحسن ہو۔

۵: اس مخطوطے میں وہ تمام شرائط موجود ہوں جن کا تذکرہ، اس مضمون میں کیا گیا ہے۔

((دومن گھڑت کتابیں))

آخر میں دومن گھڑت، موضوع اور باطل کتابوں کا ذکر پیش خدمت ہے جو دومشہور اماموں سے منسوب کردی گئی ہیں، حالانکہ یہ دونوں امام ان دو کتابوں سے بری ہیں۔

(۱) الفقہ الاکبر، المنسوب الی الامام الشافعی رحمہ اللہ،

امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھ ''الفقہ الاکبر'' کے نام سے ایک کتاب منسوب کی گئی ہے جسے ''الکوکب الازھر شرح الفقہ الاکبر'' کے نام سے مصطفیٰ احمد الباز نے ''المکتبہ التجاریہ، مکہ مکرمہ'' سعودی عرب سے شائع کیا ہے۔

اس کتاب کے موضوع ومن گھڑت ہونے کے چند دلائل درج ذیل ہیں۔

۱: اس کا ناسخ (کاتب) نامعلوم ہے۔

۲: ناسخ سے لے کر امام شافعی تک سند نامعلوم ہے۔

۳: مصطفیٰ الباز والے نسخہ میں اس کتاب کے نسخوں کا تعارف مختصراً درج ذیل ہے:

ا۔ مطبوعہ ۱۹۰۰ء

ب۔ نسخہ محمد بن عبداللہ بن احمد الراوی (مجہول) جدید دور کا لکھا ہوا؟

ج۔ شہاب الدین بن احمد بن مصلح البصری، متوفی ۹۸۶ھ (؟) کا لکھا ہوا نسخہ؟

د۔ احمد بن الشیخ درویش الخطیب کا لکھا ہوا (جدید) نسخہ؟

ھ۔ غیر مسلم: کارل بروکلی نے اس کتاب کو امام شافعی کی طرف منسوب کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ سب نسخے بے اصل اور مردود ہیں۔

حاجی خلیفہ صاحب لکھتے ہیں:" **لكن فيه شك و الظن الغالب أنه من تأليف بعض أكابر العلماء** "
لیکن (امام شافعی کی طرف) اس (کی نسبت) میں شک ہے اور ظن غالب یہی ہے کہ یہ بعض اکابر علماء کی تصنیف ہے۔
(کشف الظنون ۲/۱۲۸۸)

یہ اکابر علماء کا بعض: مجہول ہے۔
مشہور عربی محقق ابوعبیدہ مشہور بن حسن آل سلمان لکھتے ہیں کہ:
" **الفقه الأكبر :المكذوب على الإمام محمد بن إدريس الشافعي** "
الفقہ الاکبر، امام شافعی پر مکذوب (جھوٹ) ہے (کتب حذر منها العلماء:۲/۲۹۳)
شیخ صالح المقبلی نے بھی اس کتاب کے تصنیف الشافعی ہونے کا انکار کیا ہے دیکھئے ''العلم الشامخ فی ایثار الحق علی الآباء والمشائخ'' ص ۱۸۰
۴: امام شافعی کے شاگردوں و متقدمین کا لبیہقی وغیرہ، نے اس کتاب کا کوئی ذکر نہیں کیا۔
لطیفہ: الکوکب الازہر شرح الفقہ الاکبر، المکذوب علی الشافعی رحمہ اللہ، میں لکھا ہوا ہے کہ:" **و لا يكفى إيمان المقلد** "
اور (عقائد و اصول دین میں) مقلد کا ایمان کافی نہیں ہے۔ (ص ۴۲)
(۲) الفقہ الاکبر المنسوب الی الامام ابی حنیفہ رحمہ اللہ:
ملا علی قاری کی شرح کے ساتھ الفقہ الاکبر کا جو نسخہ مطبوعہ ہے اس کے شروع میں نسخہ کے راوی، ناسخ اور ناسخ سے امام ابوحنیفہ تک کوئی سند موجود نہیں ہے۔ حاجی خلیفہ نے لکھا ہے کہ:" **روى عنه أبو مطيع البلخي** "
اسے (امام ابوحنیفہ سے) ابو مطیع البلخی نے روایت کیا ہے۔ (کشف الظنون:۲/۱۲۸۷)
ابو مطیع الحکم بن عبداللہ البلخی جمہور محدثین کے نزدیک مجروح ہے۔ اسے ابن معین، بخاری اور نسائی (کتاب الضعفاء والمتروکین:۶۵۴) وغیرہم نے ضعیف کہا،
ایک حدیث کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا:" **فهذا وضعه أبو مطيع على حماد** "
اسے ابو مطیع نے حماد (بن سلمہ) پر گھڑا ہے۔ (میزان الاعتدال:۳/۴۲ ت ۵۵۲۳)
یعنی ابو مطیع وضاع (حدیثیں گھڑنے والا تھا) ابو مطیع سے نیچے، اس نسخے کی سند نامعلوم ہے۔
ایک ملا صاحب نے اس کتاب کی ایک دوسری سند فٹ کر رکھی ہے (دیکھئے مجموعہ الرسائل العشرۃ ص ۱۷)
اس سند میں بہت سے راوی مجہول، غیر معروف اور نامعلوم التوثیق ہیں۔
نصر بن یحیی البلخی، علی بن احمد الفارسی، علی بن الحسین الغزالی، نصران بن نصر الختلی اور حسین بن الحسین الکاشغری وغیرہم،
اس سند کا بنیادی راوی: ملا صاحب مجہول ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ سند بھی موضوع و باطل ہے۔

تنبیہ: اس موضوع رسالے ''الفقہ الاکبر'' میں لکھا ہوا ہے کہ:

" فما ذكر الله تعالى فى القرآن من ذكر الوجه واليد والنفس فهو صفات بلا كيف ولا يقال : أن يده قدرته ونعمته لأ فيه ابطال الصفة و هو قول اهل القدر والإعتزال ولكن يده صفته بلا كيف "

پس اللہ تعالیٰ نے قرآن میں وجہ (چہرہ) ید (ہاتھ) اور نفس (جان) کا جو ذکر کیا ہے وہ اس کی بلا کیف صفتیں ہیں اور یہ نہیں کہنا چاہئے کہ اس کا ہاتھ اس کی قدرت اور نعمت ہے کیونکہ اس (کہنے) میں صفت کا ابطال ہے اور یہ قول قدریوں اور معتزلہ کا ہے، لیکن (کہنا یہ چاہئے کہ) اس (اللہ) کا ہاتھ اس کی صفت ہے بلا کیف (ص ۱۹ و مع شرح القاری ص ۳۶، ۳۷)

اس کے برخلاف خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی فرماتے ہیں:

''مثلاً یہ کہ ممکن ہے استواء سے مراد غلبہ ہو اور ہاتھ سے مراد (قدرت) تو یہ بھی ہمارے نزدیک حق ہے''

(المہند ص ۴۲ جواب سوال: ۱۳، ۱۴، بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم ص ۱۸)

معلوم ہوا کہ اس کتاب (الفقہ الاکبر) کے مطابق دیوبندی حضرات معتزلہ کے مذہب پر ہیں۔

۳: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے منسوب کتاب ''الصلوۃ'' ان سے ثابت ہی نہیں ہے۔ حافظ ذھبی فرماتے ہیں کہ:

"وكتاب :الرسالة فى الصلوة ، قلت :هو موضوع على الإمام "

یعنی یہ کتاب موضوع (اور من گھڑت) طور پر امام (احمد) سے منسوب کر دی گئی ہے (سیر اعلام النبلاء: ۱۱/ ۳۳۰)

تنبیہ: نماز نبوی کے مقدمۃ التحقیق (ص ۱۸) میں ''اور امام احمد بن محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۴۱) کی کتاب الصلوۃ وغیرہ'' کے الفاظ دارالسلام والوں کی غلطی کی وجہ سے چھپ گئے ہیں۔ میں اس عبارت سے بری ہوں، مدیر مکتبہ دارالسلام نے اس عبارت مذکورہ کے بارے میں اپنے پیڈ پر لکھ کر دیا کہ ''تسامح کی وجہ سے چھپ گئی ہے۔ جس پر ادارہ مقدمۃ التحقیق کے مؤلف سے معذرت خواہ ہے، عبدالعظیم اسد، دارالسلام لاہور ۲۰۰۰/۸/۱۸''

اس معذرت نامہ کی اصل میرے پاس محفوظ ہے۔

۴: امام مالک (کے مذہب) سے منسوب ''المدونۃ الکبری'' غیر مستند کتاب ہے دیکھئے میری کتاب ''القول المتین فی الجہر بالتأمین'' (ص ۳۷) و سیر اعلام النبلاء (۱۴/ ۲۰۶) والعبر فی خبر من غبر (۲/ ۱۲۲)

جواب سوال نمبر ۲: اس روایت کی مجھے کوئی سند یا ثبوت کسی کتاب میں نہیں ملا۔ روایت کے الفاظ اور قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ موضوع و بے اصل روایت ہے۔

آپ قاری عبدالحفیظ فیصل آبادی صاحب سے رابطہ کریں اور پوچھیں یہ روایت کہاں ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال: کیا ترک رفع یدین قرآن وحدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب ○ باسم ملهم الصواب :

ترک رفع یدین قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ رفع یدین پر ناراضگی اور ترک کا حکم ۔(۱)

☆ بسم الله الرحمٰن الرحيم ، جواب الجواب ، امابعد :

رفع یدین کی بہت سے قسمیں ہیں، مثلاً

۱: تکبیر تحریمہ والا رفع یدین۔ ۲: رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین۔

۳: سجدوں والا رفع یدین ۴: تشہد والا رفع یدین، جیسا کہ شیعہ حضرات کرتے ہیں۔

۵: دعا میں رفع یدین۔ ۷: سر اور داڑھی کھجانے کے لئے رفع یدین (!) وغیرہ وغیرہ

'' غیر اہل حدیث '' صاحب نے اپنے دعوی '' ترک رفع یدین قرآن وحدیث سے ثابت ہے '' میں یہ وضاحت نہیں کہ '' ترک رفع یدین '' سے ان کی کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ علمی میدان میں مبہم اور غیر واضح دعوی کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، ان '' غیر اہل حدیث '' صاحب کے مقابلے میں اہل حدیث کا دعوی صاف اور واضح ہے کہ :

رسول اللہ ﷺ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ اس دعوی کی دلیل کے لئے دیکھئے صحیح البخاری (۷۳۸) وصحیح مسلم (۳۹۰/۲۲)

رسول اللہ ﷺ (کی وفات) کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ رفع یدین کرتے تھے مثلاً عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ دیکھئے صحیح البخاری (۷۳۹)

تابعین عظام رحمہم اللہ بھی یہی رفع یدین کرتے تھے، مثلاً محمد بن سیرین (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۳۵/۱ وسندہ صحیح) ابو قلابہ (ایضاً وسندہ صحیح) وہب بن منبہ (مصنف عبدالرزاق: ۶۹/۲ وسندہ صحیح) سالم بن عبداللہ بن عمر (جزء رفع یدین للبخاری: ۶۲ وسندہ حسن) قاسم بن محمد (ایضاً: ۶۲) مکحول (ایضاً: ۶۲) وغیرھم **رحمهم الله اجمعين**

جو عمل نبی ﷺ، صحابہ، تابعین نے خیر القرون میں بلا انکار و نکیر کیا ہے جس کا ترک یا نسخ کسی دلیل سے ثابت نہیں لہذا اسے متروک یا منسوخ قرار دینا اور '' ناراضگی '' کا دعوی کرنا علمی عدالتِ انصاف میں چنداں وزن نہیں رکھتا۔

رکوع سے پہلے اور بعد والے رفع یدین کے غیر متروک و غیر منسوخ ہونے کے بہت سے دلائل ہیں دیکھئے میری کتاب '' نور العینین فی اثبات رفع یدین '' اور امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری کا ثابت شدہ رسالہ '' جزء رفع یدین'' مع التحقیق والترجمہ، والحمدللہ۔

☆ یہ جواب کسی دیوبندی یا بریلوی نے لکھا ہے، جبکہ میں نے نیچے حاشیہ میں اس کا جواب الجواب لکھا ہے۔ زبیر علی زئی

حدیث نمبرا: عن جابر بن سمرة :قال خرج علینا رسول الله ﷺ فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانها اذناب خیلٍ شمسٍ اسکنوا فی الصلوة ۔ (صحیح ج۱ص۱۸۱،ابوداود: ج۱ص۱۵۰،نسائی ج۱ص۱۷۶،طحاوی شریف ج۱ص۱۵۸،مسنداحمد ج۵ص۹۳وسندہ صحیح جید)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا میں تم کو نماز میں شریر گھوڑوں کی دم کی طرح رفع یدین کرتے کیوں دیکھتا ہوں نماز میں ساکن اور مطمئن رہو۔(۲)

فی الحال دو اہم دلیلیں پیشِ خدمت ہیں جن سے رفع یدین کا دوام ثابت ہوتا ہے۔

اول: عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نماز میں جو شخص (مسنون) اشارہ کرتا ہے تو ہر اشارہ کے بدلے ہر انگلی پر ایک نیکی یا درجہ ملتا ہے۔(المعجم الکبیر للطبرانی ج۱۷ص۲۹۷ح۸۱۹ وسندہ حسن) اسے حافظ الہیثمی نے ''اسنادہ حسن'' قرار دیا ہے۔(مجمع الزوائد: ۱۰۳/۲) یہ روایت مرفوع حکماً ہے، بلکہ مرفوعاً بھی نبی کریم ﷺ سے مروی ہے [السلسلۃ الصحیحہ للشیخ الالبانی رحمہ اللہ ۸۴۸/۷ ح ۳۲۸۶ بحوالہ الفوائد لابی عثمان البحیری والدیلمی (۳۴۴/۴)] اس سے معلوم ہوا کہ رفع یدین ثواب کا کام ہے اور ہر (مسنون) رفع یدین پر دس نیکیاں ملتی ہیں، اور یہ بات عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ ثواب اور نیکیوں والی روایتیں منسوخ نہیں ہوئی ہیں۔ اللہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے خوب نیکیاں کمائیں۔

دوم: ابن عمر رضی اللہ عنہ جب کسی (غیر صحابی) شخص کو دیکھتے کہ رکوع سے پہلے اور بعد رفع یدین نہیں کرتا تو اسے کنکریوں سے مارتے تھے۔(جزء رفع یدین: ۱۵، وسندہ صحیح) ظاہر ہے کہ وفاتِ نبوی ﷺ کے بعد زمانہ تابعین کے بعض ناسمجھ اور جاہل لوگوں کو مار مار کر رفع یدین کرانا اس بات کی دلیل ہے کہ رفع یدین متروک یا منسوخ بالکل نہیں ہوا۔

(۲) جابر بن سمرہ والی اس روایت میں رکوع سے پہلے اور بعد والے رفع یدین کی صراحت نہیں ہے، بلکہ بہت سے دلائل سے صاف ثابت ہے کہ یہ روایت رکوع سے پہلے اور بعد والے رفع یدین سے کوئی تعلق نہیں رکھتی، بعض دلائل درج ذیل ہیں:

۱: حدیث میں خود صراحت ہے کہ یہ رفع یدین تشہد میں سلام کے وقت والا تھا جیسا کہ اب بھی شیعہ حضرات کرتے ہیں۔ دیکھئے صحیح مسلم (ح ۱۲۰، ۱۲۱/ ۴۳۱)

یعنی یہ حدیث شیعوں کے رد میں ہے، جسے عام دیوبندی و بریلوی اور بعض متعصب حنفی حضرات، اہل سنت (اہل حدیث) کے خلاف پیش کرنے لگے ہیں۔ شیعوں پر رد والی حدیث کو سنیوں کے خلاف فٹ کرنا انتہائی مذموم حرکت ہے۔

۲: مسند احمد میں اسی روایت میں آیا ہے کہ '' وهم قعود ''اور وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ (۹۳/۵ مختصر)

۳: اس پر اجماع ہے کہ یہ روایت تشہد کے بارے میں ہے (جزء رفع یدین: ۳۷، التلخیص الحبیر ۲۲۱/۱ ح ۳۲۸) اور یہ بات عندالفریقین مسلم ہے کہ اجماع حجت ہے۔

۴: محدثین کرام مثلاً امام نسائی، امام ابوداود وغیرھما نے اس پر سلام کے باب باندھے ہیں۔

۵: کسی محدث نے یہ روایت ترکِ رفع یدین کے باب میں ذکر نہیں کی۔

نماز تکبیر سے شروع ہوتی ہے اور سلام پر ختم ہوتی ہے۔(۳) اسکے اندر کسی جگہ رفع یدین کرنا خواہ وہ دوسری، تیسری چھوتھی رکعت کے شروع میں یا رکوع میں جاتے یا سر اٹھاتے وقت ہو اس رفع یدین پر حضور ﷺ نے ناراضگی کا اظہار بھی فرمایا اس کو جانوروں کے فعل سے تشبیہ بھی دی اس رفع یدین کو خلاف سکون بھی فرمایا اور پھر حکم دیا کہ نماز سکون سے یعنی بغیر رفع یدین پڑھا کرو قرآن پاک میں نماز میں سکون کی تاکید ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:'' قوموا للہ قانتین '' خدا کے سامنے نہایت سکون سے کھڑے ہو،(۴)

....

۶: جو کام رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اسے شریر گھوڑوں کی دموں سے تشبیہ دینا انتہائی غلط اور قابلِ مذمت حرکت ہے۔

۷: علماءِ حق نے اس حدیث سے ترک یا نسخ پر استدلال کرنے والوں پر شدید تنقید کرتے ہوئے ان کے عمل کو جہالت کی سب سے بری قسم قرار دیا ہے۔ دیکھئے المجموع شرح المہذب (۴۰۳/۴)

۸: متعدد غیر اہل حدیث علماء نے اس روایت کے ساتھ نسخ رفع الیدین پر استدلال کرنے والوں پر تنقید کی ہے، مثلاً محمود الحسن دیوبندی '' اسیر مالٹا '' فرماتے ہیں: ''باقی اذناب الخیل کی روایت سے جواب دینا بروئے انصاف درست نہیں کیونکہ وہ سلام کے بارہ میں ہے'' (الورد الشذی علی جامع الترمذی ص۶۳، تقاریر حضرت شیخ الھند ص۶۵)

محمد تقی عثمانی دیوبندی صاحب فرماتے ہیں کہ: ''لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ اس حدیث سے حنفیہ کا استدلال مشتبہ اور کمزور ہے''۔ (درس ترمذی: ۳۶/۲)

۹: اگر اس حدیث سے مطلقاً ہر رفع یدین کا نسخ یا منع ثابت کیا جاتا ہے تو پھر حنفی، دیوبندی و بریلوی حضرات: تکبیر تحریمہ، وتر اور عیدین میں کیوں رفع یدین کرتے ہیں؟

۱۰: اس حدیث کے راویوں مثلاً امام احمد بن حنبل وغیرہ میں سے ایک محدث سے بھی اس حدیث کی بنیاد پر رفع یدین کا منسوخ یا متروک قرار دیا جانا ثابت نہیں ہے۔

(۳) ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" ما بال الذين يرمون بأيديهم في الصلوة كأنها أذناب الخيل الشمس " الخ (مسند احمد ۱۰۲/۵ ح ۲۱۲۸۱ وسندہ صحیح)

انہیں کیا ہوگیا ہے کہ نماز میں ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہیں گویا کہ شریر گھوڑوں کی دمیں ہیں ....الخ

اس سے معلوم ہوا کہ سلام کے بعد ہی نماز ختم ہوتی ہے، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

'' مفتاح الصلوة الطهور واحرامها التكبير وانقضاء ها التسليم '' وضو نماز کی کنجی ہے اور تکبیر اس کا احرام ہے، نماز سلام سے ختم ہوتی ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۶/۲ وسندہ صحیح) معلوم ہوا کہ سلام نماز میں داخل ہے۔

(۴) '' قانتین '' کا یہ مطلب کسی نے بھی بیان نہیں کیا کہ نماز میں مسنون رفع یدین نہیں کرنا چاہئے، اس سلسلے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منسوب روایت باطل ہے، اگر '' قانتین '' کا یہی مطلب ہوتا تو پھر حنفیہ و دیوبندیہ و بریلویہ، تینوں گروہ، عیدین، وتر اور تکبیر تحریمہ میں کیوں رفع یدین کرتے ہیں؟

دیکھوخدااور رسول نے نماز میں سکون کا حکم فرمایا اور آنحضرت نے نماز کے اندر رفع یدین کو سکون کے خلاف فرمایا۔

حدیث نمبر۲: **قال ابن عباس الذین لا یرفعون ایدیهم في صلوتهم**

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یعنی جونمازوں میں رفع یدین نہیں کرتے۔(مسندامام اعظم ص ۲۲۷)(۵)

حدیث نمبر۳: **حدثنا عبدالله .... عن علقمة قال قال الا اصلی لکم صلوة رسول الله ﷺ قال فصلی فلم یرفع یدیه الامرة** ۔(مسند احمد ج ا ص ۳۸۸ و ۴۴۲)

ترجمہ: حضرت علقمہ فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی طرح نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں چنانچہ آپ نے نماز پڑھی اور صرف ایک مرتبہ رفع یدین کیا۔(۶)

ابوسفیان الٰہی بخش تونسوی مدرس ادارہ حقانیہ مین روڈ فیض آباد

....

تنبیہ بلیغ: دیوبندی و بریلوی حضرات کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ کے مقلد ہیں، لہذا ان لوگوں پر یہ لازم ہے کہ خود مجتہد نہ بنیں بلکہ باسند صحیح اپنے مزعوم امام سے ثابت کریں کہ انہوں نے " **قوموا لله قانتین** " اور حدیثِ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے ترکِ رفع یدین یا منسوخیت رفع یدین پر استدلال کیا ہے، اگر یہ لوگ اپنے دعویٰ تقلید کے باوجود اپنے مزعوم امام سے استدلال ثابت نہ کرسکیں تو یہ اس کی واضح دلیل ہے کہ یہ لوگ خود مجتہد بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ لوگ نماز میں باتیں کرتے تھے " **وقوموا لله قانتین** " آیت نازل ہوئی اور لوگوں کو سکوت (خاموشی) کا حکم دیا گیا۔(صحیح البخاری:۴۵۳۴، وصحیح مسلم:۵۳۹)

یعنی اس آیت کریمہ کا تعلق رفع یدین سے نہیں بلکہ " **سکوت في الصلوة** " سے ہے، یاد رہے کہ دل میں، زبان ہلا کر پڑھنا سکوت کے منافی نہیں ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سکوت کے دوران " **اللهم باعدبیني** " الخ پڑھتے تھے۔(دیکھئے صحیح البخاری:۷۴۴ و صحیح مسلم:۵۹۸)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما " **وقوموا لله قانتین** " پڑھتے تھے(تفسیر ابن جریر ۳۵۴/۲ وسندہ صحیح) اور خود رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے(مصنف عبدالرزاق ۶۹/۲ ح ۲۵۲۳ و مصنف ابن ابی شیبہ ۲۳۵/۱ ح ۲۴۳۱ وسندہ حسن، وجزء رفع الیدین للبخاری:۲۱ و مسائل احمد، روایۃ عبداللہ:۲۴۴/۱)

(۵) یہ روایت ''مسندامام اعظم'' میں مجھے نہیں ملی۔'' مسندامام اعظم '' نامی کتاب کی سند کا دارومدار عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی پر ہے دیکھئے مقدمہ '' مسندامام اعظم '' اردو(ص ۲۶) و'' مسندامام اعظم'' عربی (ص ۲۷)۔ یہ حارثی مذکور کذاب اور وضع حدیث میں پورا استاد تھا دیکھئے میزان الاعتدال (۴۹۶/۲) ولسان المیزان (۳۴۸/۳، ۳۴۹) اور الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث (ص ۲۴۸ ت ۴۱۱) لہذا ''مسندامام اعظم '' کے نام سے ساری کتاب موضوع اور من گھڑت ہے، امام ابوحنیفہ اس کتاب سے بری ہیں۔ والحمدللہ

(۶) یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے۔

اول: سفیان ثوری مدلس ہیں۔ حنفیوں کے امام عینی حنفی نے سفیان ثوری کے بارے میں لکھا ہے کہ:

" **وسفیان من المدلسین والمدلس لا یحتج بعنعنته إلا أن یثبت سماعه من طریق آخر** "

....

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۱۲ باب الوضوء من غیر حدث) یعنی سفیان (ثوری) مدلسین میں سے ہیں اور مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں ہوتی الا یہ کہ دوسری سند سے اس مدلس کی تصریحِ سماع ثابت ہو جائے۔

سفیان ثوری ضعیف راویوں سے تدلیس کرتے تھے (دیکھئے میزان الاعتدال: ۱۶۹/۲ ت ۳۳۲۲) ابوبکر الصیر فی کتاب الدلائل میں لکھتے ہیں کہ: '' **كل من ظهر تدليسه عن غير الثقات لم يقبل خبره حتى يقول حدثني أو سمعت** ''

ہر وہ شخص جس کی غیر ثقہ سے تدلیس ظاہر ہو تو اس کی صرف وہی خبر قبول کی جائے گی جس میں وہ حدثنی یا سمعت کے الفاظ کہے۔ (شرح الفیۃ العراقی رالتبصرۃ والتذکرۃ ج ۱ ص ۱۸۴، ۱۸۵ والتأسیس فی مسئلۃ التدلیس ص: ۳۷ مطبوعہ محدث: جنوری ۱۹۹۶) اس سے بھی معلوم ہوا کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ طبقہ ثالثہ کے مدلس ہیں، امام حاکم کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حافظ ابن حبان نے لکھا ہے کہ: '' **وأما المدلسون الذين هم ثقات وعدول فإنا لا نحتج بأخبارهم إلا ما بينوا السماع فيما رووا مثل الثوري والأعمش وأبي إسحاق وأضرابهم** ''

اور وہ مدلس جو ثقہ و عادل ہیں جیسے (سفیان) ثوری، اعمش، ابو اسحاق وغیرہم، تو ہم ان کی صرف انہی احادیث سے حجت پکڑتے ہیں جن میں وہ سماع کی تصریح کرتے ہیں۔ (الاحسان: ۹۲/۱، نسخہ محققہ: ۱۶۱/۱)

تفصیلی بحث کے لئے نور العینین اور التأسیس پڑھ لیں۔

دوم: امام احمد، ابو حاتم الرازی، دارقطنی اور ابوداود وغیرہم جمہور محدثین نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، دیکھئے میری کتاب '' نور العینین فی مسئلہ رفع الیدین '' طبع قدیم ص ۹۷، ۹۹ و طبع دوم ص ۱۱۹ ۔ ۱۲۴ و طبع سوم ص ۱۱۵ ۔ ۱۱۹) رکوع سے پہلے اور بعد والے رفع یدین کی صحیح روایات کے لئے صحیح بخاری و صحیح مسلم و صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان اور نظم المتناثر من الحدیث المتواتر (ص ۹۶، ۹۷) وغیرہ کتابوں کا مطالعہ کریں۔

والسلام

حافظ زبیر علی زئی (۷ امئی ۲۰۰۴)

امام شافعی فرماتے ہیں کہ:

'' **كل ما قلت --- وكان عن النبي (ﷺ) خلاف قولي مما يصح فحدث النبي (ﷺ) أولى ، ولا تقلدوني** ''

میری ہر بات جو نبی ﷺ کی صحیح حدیث کے خلاف ہو (چھوڑ دو) پس نبی ﷺ کی حدیث سب سے زیادہ بہتر ہے، اور میری تقلید نہ کرو (آداب الشافعی و مناقبہ لابن أبی حاتم ص ۵۱ وسندہ صحیح)

حافظ ندیم ظہیر

فضائلِ سلام

سلام مسلمانوں کا امتیازی وصف اور وقار ہے۔ ابتدائے آفرینش سے ''سلام'' کی جامعیت، افضلیت اور اہمیت مسلّم ہے، عہدِ نبوی ﷺ میں بھی اس کی ترویج پر خوب زور دیا گیا ہے، اب تا قیامت یہ مسلمانوں کا شعار ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤی اَهْلِهَا﴾

اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک تم اجازت نہ لے لو اور گھر والوں کو سلام نہ کر لو (النور: ۲۷)

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً﴾

پس جب تم گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے گھر والوں پر سلام کرو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے۔ (النور: ۶۱)

آغازِ سلام:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان سے کہا: جاؤ اور فرشتوں کی اس جماعت کو سلام کرو اور وہ جو جواب دیں اسے غور سے سنو کیوں کہ وہی تیرا اور تیری اولاد کا سلام ہوگا۔

پس سیدنا آدم علیہ السلام نے جا کر کہا: ''السلام علیکم'' تو انہوں نے کہا: ''السلام علیک ورحمۃ اللہ'' یعنی انھوں نے رحمۃ اللہ کا اضافہ کر دیا۔ (بخاری: ۶۲۲۷، مسلم: ۲۸۴۱)

تحفۂ سلام:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا﴾

اور جب تمہیں (سلام کا) تحفہ دیا جائے تو تم اس سے بہتر تحفہ انھیں دو، یا وہی انھیں لوٹا دو۔

اس آیت کی تائید درج ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے:

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے ''السلام علیکم'' کہا۔ آپ ﷺ نے اس کا جواب دیا بعد ازاں وہ بیٹھ گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: دس نیکیاں ہوگئیں۔ پھر ایک دوسرا شخص آیا اس نے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہا، آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ چنانچہ وہ بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بیس نیکیاں ہوگئیں، بعد میں ایک اور شخص آیا اس نے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہا۔ آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ وہ بیٹھ گیا آپ ﷺ نے فرمایا: تیس نیکیاں ہوگئیں (سنن ابی داوٗد: ۵۱۹۵، ترمذی: ۲۶۸۹ واسنادہ حسن)

بہترین اسلام:

ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، أي الإسلام خير؟ کہ اسلام میں بہتر بات کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے بہتر بات یہ ہے کہ تو (بھوکے کو) کھانا کھلائے اور ہر واقف و ناواقف کو سلام کہے (صحیح بخاری: ۱۲، صحیح مسلم: ۳۹)

محبت اور سلام:

بغض وعناد، فتنہ وفساد کو کس طرح نبی رحمت ﷺ نے الفت ومحبت، اخوت وبھائی چارے میں تبدیل کر دیا؟ وہ کون سانسخۂ کیمیا ہے؟ جی ہاں، اسے نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے سنئے اور اپنی زندگیوں کو محبتوں سے بھر لیجئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم جنت میں نہیں جاؤ گے یہاں تک کہ ایمان لے آؤ اور تم مومن نہیں ہوگے یہاں تک کہ ایک دوسرے سے محبت کرو۔ کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جب تم اسے اختیار کرو گے تو آپس میں محبت کرنے لگو گے (اور وہ یہ ہے کہ) تم آپس میں سلام کو پھیلاؤ اور عام کرو (صحیح مسلم: ۵۴)

جنت اور سلام:

سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ، لوگوں کو کھانا کھلاؤ، رشتے داروں اور اقربا کے حقوق ادا کرو اور اس وقت اٹھ کر نماز پڑھو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں (یعنی تہجد) تو تم ''جنت'' میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے (ترمذی: ۲۴۸۵)

قربتِ الٰہی اور سلام:

سلام میں پہل کرنا قربتِ الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إن أولى الناس بالله من بدأ با لسلام ۔ سب سے زیادہ اللہ کے قریب وہ لوگ ہوں گے جو سلام کہنے میں پہل کرتے ہیں (ابوداوٗد: ۵۱۹۷ وسندہ صحیح)

قارئین کرام: مذکورہ سطور میں انتہائی اختصار کے ساتھ سلام کی فضیلت رقم کی گئی ہے لہٰذا ہمیں بحیثیت مسلمان ''سلام'' کو عام کرنا چاہئے اور کیونکہ یہ قربت الٰہی کے حصول اور جنت میں داخلے کا ذریعہ ہے اور غیر مسلموں کے ایجاد کردہ: ہائے، بائے، ہیلو اور نمستے وغیرہ الفاظ سے اجتناب کرنا چاہیے۔ کیونکہ کافروں سے مشابہت کی ممانعت ہے اللہ ہمیں اعمالِ صالحہ کی توفیق دے (آمین) وما علينا إلا البلاغ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نو ر المصابیح فی مسئلة التراویح

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لانبي بعده أما بعد :

مسئلہ: ہمارے امام اعظم محمد رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز کے بعد صبح کی نماز تک گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔

دلیل نمبر ۱: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

" كان رسول الله ﷺ يصلي فيما بين أن يفرغ من صلاة العشاء وهي التى يدعوا الناس العتمة إلى الفجر إحدى عشرة ركعة يسلم بين كل ركعتين ويوتر بواحدة " إلخ

رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد صبح تک گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور اسی نماز کو لوگ عتمہ بھی کہتے تھے۔ آپ ہر دو رکعات پر سلام پھیرتے تھے اور ایک وتر پڑھتے تھے۔ الخ (صحیح مسلم: ۱/۲۵۴ ح ۷۳۶)

دلیل نمبر ۲: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کی رمضان میں (رات کی) نماز (تراویح) کیسی ہوتی تھی؟ تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "**ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة إلخ** " رمضان ہو یا غیر رمضان رسول اللہ ﷺ گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، الخ (صحیح بخاری: ۱/۲۶۹ ح ۲۰۱۳، عمدۃ القاری: ۱۱/۱۲۸، کتاب الصوم، کتاب التراویح باب فضل من قام رمضان)

ایک اعتراض: اس حدیث کا تعلق تہجد کے ساتھ ہے؟

جواب: تہجد، تراویح، قیام اللیل، قیام رمضان، وتر ایک ہی نماز کے مختلف نام ہیں۔

دلیل: ۱ نبی ﷺ سے تہجد اور تراویح کا علیحدہ علیحدہ پڑھنا قطعاً ثابت نہیں ہے۔

دلیل: ۲ ائمہ محدثین نے صدیقۂ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر قیام رمضان اور تراویح کے ابواب باندھے ہیں، مثلاً

۱: صحیح بخاری، کتاب الصوم (روزے کی کتاب) کتاب صلوۃ التراویح (تراویح کی کتاب) باب فضل من قام رمضان (فضیلت قیامِ رمضان)

۲: مؤطا محمد بن الحسن الشیبانی: ص ۱۴۱، باب قیام شہر رمضان ومافیہ من الفضل۔

مولوی عبدالحیٔ لکھنوی نے اس کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ:'' قوله ، قيام شهر رمضان ويسمى التراويح ''
یعنی: قیام رمضان اور تراویح ایک ہی چیز ہے۔

۳: السنن الکبریٰ للبیہقی (۴۹۵/۲، ۴۹۶) باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان

دلیل:۳ متقدمین میں سے کسی محدث یا فقیہ نے نہیں کہا کہ اس حدیث کا تعلق نماز تراویح کے ساتھ نہیں ہے۔

دلیل:۴ اس حدیث کو متعدد اماموں نے بیس رکعات والی موضوع و منکر حدیث کے مقابلہ میں بطور معارضہ پیش کیا ہے۔ مثلاً

۱: علامہ زیلعی حنفی (نصب الرایہ:۱۵۳/۲)
۲: حافظ ابن حجر عسقلانی (الدرایہ:۲۰۳/۱)
۳: علامہ ابن ہمام حنفی (فتح القدیر:۴۶۷/۱، طبع دار الفکر)
۴: علامہ عینی حنفی (عمدۃ القاری:۱۲۸/۱۱)
۵: علامہ سیوطی (الحاوی للفتاوی:۳۴۸/۱) وغیرہم

دلیل: ۵ سائل کا سوال صرف قیام رمضان سے تھا جس کو تراویح کہتے ہیں، تہجد کی نماز کے بارے میں سائل نے سوال ہی نہیں کیا تھا۔ بلکہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں سوال سے زائد نبی ﷺ کے قیامِ رمضان و غیر رمضان کی تشریح فرما دی۔ لہذا اس حدیث سے گیارہ رکعات تراویح کا ثبوت صریحاً ہے۔ (ملخصاً من خاتمہ اختلاف:ص۶۴ باختلاف یسیر)

دلیل:۶ بعض لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ تہجد اور تراویح علیحدہ علیحدہ دو نمازیں ہیں، ان کے اصول پر نبی ﷺ نے ۲۳ رکعات تراویح (۲۰+۳) پڑھیں جیسا کہ ان لوگوں کا عمل ہے اور اسی رات کو گیارہ رکعات تہجد (۸+۳) پڑھی۔ (جیسا کہ ان کے نزدیک صحیح بخاری کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے) یہاں پر اشکال یہ ہے کہ اس طرح تو یہ لازم آتا ہے کہ ایک رات میں آپ نے دو دفعہ وتر پڑھے، حالانکہ نبی ﷺ نے فرمایا:''لا وتران في ليلة'' ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں۔ (ترمذی:۴۷۰/۱۰۷ح، ابوداود:۱۴۳۹، نسائی:۱۶۷۸، صحیح ابن خزیمہ:۱۱۰۱، صحیح ابن حبان:۶۷۱ اسنادہ صحیح) اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے فرمایا:''هذا حديث حسن غريب''

یاد رہے کہ اس حدیث کے سارے راوی ثقہ ہیں۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہوسکتا لہذا یہ ثابت ہوگیا کہ آپ ﷺ نے رات میں صرف ایک وتر پڑھا ہے، آپ ﷺ سے صرف گیارہ (۱۱) رکعات (۸+۳) ثابت ہیں، ۲۳ ثابت نہیں ہیں (۲۰+۳) لہذا تہجد اور تراویح میں فرق کرنا باطل ہے۔

دلیل:۷　مولوی انور شاہ کشمیری دیو بندی نے یہ تسلیم کیا ہے کہ تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، دیکھئے فیض الباری (۴۲۰/۲) العرف الشذی (۱۶۶/۱) یہ مخالفین کے گھر کی گواہی ہے۔ اس کشمیری قول کا جواب ابھی تک کسی طرف سے نہیں آیا۔ ۔ گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

دلیل:۸　سیدنا امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تہجد اور تراویح دونوں کو ایک ہی سمجھتے تھے، تفصیل کے لئے دیکھئے فیض الباری (۴۲۰/۲)

دلیل:۹　متعدد علماء نے اس شخص کو تہجد پڑھنے سے منع کیا ہے جس نے نماز تراویح پڑھ لی ہو۔

(قیام اللیل للمروزی: بحوالہ فیض الباری:۴۲۰/۲)

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان علماء کے نزدیک تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے۔

دلیل:۱۰　سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ کی روایت: ''**صلی بنا رسول الله ﷺ في رمضان ثمان رکعات والوتر الخ**'' بھی اس کی مؤید ہے جیسا کہ آگے بالتفصیل آرہا ہے، لہذا اس حدیث کا تعلق تراویح کے ساتھ یقیناً ہے۔ **وتلك عشرة کاملة**

دلیل نمبر ۳: سیدنا جابر الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں نماز پڑھائی۔ آپ ﷺ نے آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھے الخ۔

(صحیح ابن خزیمہ:۱۳۸/۲ ح:۱۰۷۰، صحیح ابن حبان (الاحسان) ۶۲/۴، ۶۴ ح:۲۴۰۱، ۲۴۰۶)

ایک اعتراض: اس کی سند میں محمد بن حمید الرازی کذاب ہے۔ (مختصر قیام اللیل للمروزی ص ۱۹۷)

جواب:　اس حدیث کو یعقوب بن عبداللہ القمی سے محمد بن حمید کے علاوہ اور بھی بہت سے راویوں نے بیان کیا ہے، مثلاً

۱: جعفر بن حمید الکوفی:　(الکامل لابن عدی:۱۸۸۹/۵، المعجم الصغیر للطبرانی:۱۹۰/۱)

۲: ابوالربیع　(الزہرانی / مسند ابی یعلی الموصلی: ۳۳۶/۳، ۳۳۷ ح: ۱۸۰۱، صحیح ابن حبان ح: ۲۴۰۱، ۲۴۰۶)

۳: عبدالاعلی بن حماد　(مسند ابی یعلی:۳۳۶/۳ ح ۱۸۰۱، الکامل لابن عدی:۱۸۸۸/۵)

۴: مالک بن اسماعیل　(صحیح ابن خزیمہ:۱۳۸/۲ ح:۱۰۷۰)

۵: عبیداللہ یعنی ابن موسی　(صحیح ابن خزیمہ:۱۳۸/۲، ۱۰۷۰)

یہ سارے راوی ثقہ وصدوق ہیں، لہذا محمد بن حمید پر اعتراض غلط اور مردود ہے۔

دوسرا اعتراض: اس کی سند میں یعقوب القمی ضعیف ہے، اس کے بارے میں امام دارقطنی نے کہا: ''**لیس بالقوی**''

جواب:　یعقوب القمی ثقہ ہے، اسے جمہور علماء نے ثقہ قرار دیا ہے۔

۱: نسائی نے کہا: **لیس به باس**

۲: ابوالقاسم الطبرانی نے کہا: ثقہ

۳: ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا (اور اس کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے)

۴: جریر بن عبدالحمید اسے ''مومن آل فرعون'' کہتے تھے۔

۵: ابن مہدی نے اس سے روایت بیان کی۔ (تہذیب التہذیب: ۱۱/۳۴۲، ۳۴۳)

اور ابن مہدی صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں۔ (تدریب الراوی: ۱/۳۱۷ وغیرہ)

۶: حافظ ذہبی نے کہا: صدوق (الکاشف: ۳/۲۵۵)

۷: ابن خزیمہ نے اس کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

۸: نورالدین الہیثمی نے اس کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

۹: امام بخاری نے تعلیقات میں اس سے روایت لی ہے اور اپنی '' التاریخ الکبیر'' (۸/۳۹۱ ح: ۳۴۴۳) میں اس پر طعن نہیں کیا، لہذا وہ ان کے نزدیک بقول تھانوی ثقہ ہے۔ دیکھئے قواعد فی علوم الحدیث (ص ۱۳۶، ظفر احمد تھانوی)

۱۰: حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۳/۱۲ تحت ح: ۱۱۲۹) میں اس کی منفرد حدیث پر سکوت کیا ہے اور یہ سکوت (دیوبندیوں کے نزدیک) اس کی تحسین حدیث کی دلیل ہے۔

(قواعد فی علوم الحدیث ص ۵۵ وغیرہم) وتلک عشرۃ کاملہ

تیسرا اعتراض: اس روایت کی سند میں عیسی بن جاریہ ضعیف ہے، اس پر ابن معین، الساجی، العقیلی، ابن عدی اور ابو داود نے جرح کی ہے، بعض نے منکر الحدیث بھی لکھا ہے۔

جواب: عیسی بن جاریہ جمہور علماء کے نزدیک ثقہ، صدوق یا حسن الحدیث ہیں۔

۱: ابوزرعہ نے کہا: **لا باس به**

۲: ابن حبان نے الثقات میں ذکر کیا ہے۔

۳: ابن خزیمہ نے اس کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔

۴: الہیثمی نے اس کی حدیث کی تصحیح کی۔ (مجمع الزوائد: ۲/۷۲)

اور اسے ثقہ کہا (مجمع الزوائد: ۲/۱۸۵)

۵: البوصیری نے زوائد سنن ابن ماجہ میں اس کی حدیث کی تحسین کی ہے۔ (دیکھئے حدیث: ۴۲۴۱)

۶: الذہبی نے اس کی منفرد حدیث کے بارے میں ''اسنادہ وسط'' کہا۔

۷: بخاری نے التاریخ الکبیر (۳۸۵/۶) میں اسے ذکر کیا ہے اور اس پر طعن نہیں کیا۔

۸: حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کی حدیث پر سکوت کیا۔ (۱۰/۳ تحت ح:۱۱۲۹)

۹: حافظ منذری نے اس کی ایک حدیث کو ''باسناد جید'' کہا۔ (الترغیب والترہیب: ۵۰۷/۱)

۱۰: ابوحاتم الرازی نے اسے ذکر کیا اور اس پر کوئی جرح نہیں کی۔ (دیکھئے الجرح والتعدیل: ۲۷۳/۶)

ابوحاتم کا سکوت (دیوبندیوں کے نزدیک) راوی کی توثیق ہوتی ہے۔ (قواعد فی علوم الحدیث: ص ۲۴۷)

تلك عشرة كاملة، لہذا یہ سند حسن ہے۔

دلیل نمبر۴: جناب ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

میں نے آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھے رمضان میں اور نبی ﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ نے کچھ (رد) بھی نہیں فرمایا: ''**فكانت سنة الرضا**'' پس یہ رضامندی والی سنت بن گئی۔ (مسند ابی یعلی: ۲۳۶/۳، ح ۱۸۰۱)

علامہ ہیثمی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا: ''**رواه أبو يعلى والطبراني بنحوه في الأوسط وإسناده حسن**''

اسے ابو یعلی نے روایت کیا اور اسی طرح طبرانی نے اوسط میں روایت کیا اور اس کی سند حسن ہے۔ (مجمع الزوائد: ۷۴/۲)

اس حدیث کی سند وہی ہے جو کہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی ہے، دیکھئے ص: ۵، جناب مولوی سرفراز صفدر دیوبندی لکھتے ہیں: ''اپنے وقت میں اگر علامہ ہیثمی کو صحت اور سقم کی پرکھ نہیں، تو اور کس کو تھی؟''

(احسن الکلام: ۲۳۳/۱، توضیح الکلام: ۲۷۹/۱)

دلیل نمبر۵: سیدنا امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابی بن کعب اور سیدنا تمیم الداری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ لوگوں کو (رمضان میں رات کے وقت) گیارہ رکعات پڑھائیں۔ (مؤطا امام مالک: ۱۱۴/۱ ح: ۲۴۹، السنن الکبری للبیہقی: ۴۹۶/۲) یہ حدیث بہت سی کتابوں میں موجود ہے۔ مثلاً

۱: شرح معانی الآثار: ۲۹۳/۱ واحتج بہ

۲: المختارہ للحافظ ضیاء المقدسی (بحوالہ کنز العمال: ۴۰۷/۸ ح ۲۳۴۶۵)

۳: معرفۃ السنن والآثار للبیہقی (ق ۲/۳۶۷، ۳۶۸، مطبوع: ۳۰۵/۲ ح ۱۳۶۶ ب)

۴: قیام اللیل للمروزی: ص ۲۰۰

۵: مصنف عبدالرزاق (بحوالہ کنز العمال: ح ۲۳۴۶۵)

۶: مشکوۃ المصابیح (ص ۱۱۵ ح: ۱۳۰۲)

۷: شرح السنہ للبغوی (۱۲۰/۴ تحت ح: ۹۹۰)

۸: المہذب فی اختصار السنن الکبیر للذہبی (۴۶۱/۲)

۹: کنز العمال (۸/۷۰۴ ح ۲۳۴۶۵)

۱۰: السنن الکبری للنسائی (۳/۱۱۳ ح ۴۶۸۷) وغیرہم، اس فاروقی حکم کی سند بالکل صحیح ہے۔

دلیل:۱ اس کے تمام راوی زبردست قسم کے ثقہ ہیں۔

دلیل:۲ اس سند کے کسی راوی پر کوئی جرح نہیں ہے۔

دلیل:۳ اسی سند کے ساتھ ایک روایت صحیح بخاری کتاب الحج میں بھی موجود ہے۔(ح ۱۸۵۸)

دلیل:۴ شاہ ولی اللہ الدہلوی نے ''اہل الحدیث'' سے نقل کیا ہے کہ مؤطا کی تمام احادیث صحیح ہیں۔
(حجۃ اللہ البالغہ: ۲/۲۴۱ اردو)

دلیل:۵ جناب طحاوی حنفی نے '' لهذا يدل '' کہہ کہ یہ اثر بطور حجت پیش کیا ہے۔(معانی الاثار: ۱/۱۹۳)

دلیل:۶ ضیاء المقدسی نے المختارہ میں یہ اثر لا کر اس کا صحیح ہونا ثابت کر دیا ہے۔ دیکھئے اختصار علوم الحدیث ص:۷۷

دلیل:۷ امام ترمذی نے اس جیسی ایک سند کے بارے میں کہا: ''حسن صحیح'' (ح ۹۲۶)

دلیل:۸ اس روایت کو متقدمین میں سے کسی ایک محدث نے بھی ضعیف نہیں کہا۔

دلیل:۹ علامہ باجی رحمہ اللہ نے اس اثر کو تسلیم کیا ہے۔(موطا بشرح الزرقانی: ۱/۲۳۸ ح ۲۴۹)

دلیل:۱۰ مشہور غیر اہلِ حدیث محمد بن علی النیموی (متوفی: ۱۳۲۲ھ) نے اس روایت کے بارے میں کہا: ''واسناده صحيح'' (آثار السنن ص ۲۵۰) اور اس کی سند صحیح ہے۔

(لہٰذا بعض متعصب لوگوں کا پندرہویں صدی میں اسے مضطرب کہنا باطل اور بے بنیاد ہے)

سنت خلفائے راشدین

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' **فمن أدرك منكم فعليه بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليهابالنواجد** ''

پس تم میں سے جو یہ (اختلاف) پائے تو اس پر (لازم) ہے کہ میری سنت اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑ لے، اسے اپنے دانتوں کے ساتھ (مضبوط) پکڑ لو۔(سنن ترمذی: ۲/۹۶ ح ۲۶۷۶)

اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: '' **هذا حديث حسن صحيح** ''

یاد رہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خلیفہ راشد ہونا نص صحیح سے ثابت ہے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: '' **اقتدوا بالذين من بعدي أبي بكر و عمر** ''

میرے بعد ان دو شخصوں ابوبکر اور عمر کی اقتداء (اطاعت) کرنا۔ (سنن ترمذی: ۲/۲۰۷ ح ۳۶۶۲، ابن ماجہ: ۹۷)

اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے فرمایا: '' **هذاحديث حسن** ''

لہذا ثابت ہوا کہ یہ فاروقی حکم بھی حدیث مرفوع کے حکم میں ہے، جبکہ مرفوع احادیث بھی اس کی تائید کرتی ہیں اور ایک بھی صحیح مرفوع حدیث اس کے مخالف نہیں ہے۔

دلیل نمبر۶: جناب السائب بن یزید (صحابی) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

'' **كنا نقوم في زمان عمر بن الخطاب رضي الله عنه بإحدى عشرة ركعة ...... إلخ** ''

ہم (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے......الخ

(سنن سعید بن منصور بحوالہ الحاوی للفتاوی:۱/۳۴۹ وحاشیہ آثار السنن ص ۲۵۰)

اس روایت کے تمام راوی جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں۔ جناب جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: '' **وفي مصنف سعيد بن منصور بسند في غاية الصحة** ''

اور یہ (گیارہ رکعات والی روایت) مصنف سعید بن منصور میں بہت صحیح سند کے ساتھ ہے۔

(المصابیح فی صلوۃ التراویح للسیوطی: ص۱۵، الحاوی للفتاوی:۱/۳۵۰)

لہذا ثابت ہوا کہ گیارہ رکعات قیام رمضان (تراویح) پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

دلیل نمبر۷: مصنف ابن ابی شیبہ (متوفی ۲۳۵ھ) میں ہے کہ:

'' **إن عمر جمع الناس على أبي و تميم فكانا يصليان إحدى عشرة ركعة الخ** ''

بے شک عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ابی (بن کعب) اور تمیم (الداری) رضی اللہ عنہما پر جمع کیا، پس وہ دونوں گیارہ رکعات پڑھاتے تھے۔ (۲/۳۹۲ ح ۷۶۷۰)

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے اور اس کے سارے راوی صحیح بخاری و صحیح مسلم کے ہیں اور بالاجماع ثقہ ہیں۔

دلیل نمبر۸: نبی کریم ﷺ سے بیس رکعات تراویح قطعاً ثابت نہیں ہے۔

جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی فرماتے ہیں کہ:

'' **وأما عشرون ركعة فهو عنه عليه السلام بسند ضعيف وعلى ضعفه إتفاق** ''

اور بیس رکعات والی جو روایت ہے، وہ ضعیف سند کے ساتھ ہے اور اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔

(العرف الشذی:۱/۱۶۶)

لہذا بیس رکعات والی روایت کو امت مسلمہ کا ''تلقی بالرد'' حاصل ہے یعنی امت نے اسے بالاتفاق رد کر دیا ہے۔

طحطاوی حنفی اور محمد احسن نانوتوی کہتے ہیں کہ: '' **لأن النبي عليه الصلوة والسلام لم يصلها عشرين بل ثماني** ''

بے شک نبی ﷺ نے بیس نہیں پڑھیں بلکہ آٹھ پڑھی ہیں۔

(حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار:۱/۲۹۵ واللفظ لہ، حاشیہ کنز الدقائق: ص۳۶ حاشیہ:۴)

خلیل احمد سہارنپوری نے کہا: ''اور سنت مؤکدہ ہونا تراویح کا آٹھ رکعات ہونا تو باتفاق ہے'' (براہین قاطعہ :ص۱۹۵)
عبدالشکور لکھنوی نے کہا: ''اگرچہ نبی ﷺ سے آٹھ رکعت تراویح مسنون ہے اور ایک ضعیف روایت میں ابن عباس سے بیس رکعت بھی.....'' (علم الفقہ :ص ۱۹۸)
یہ حوالے بطورِ الزام پیش کئے گئے ہیں۔
دلیل نمبر:۹ امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے باسند صحیح متصل بیس رکعات تراویح قطعاً ثابت نہیں ہے ۔یحیٰ بن سعید الانصاری اور یزید بن رومان کی روایتیں منقطع ہیں (اس بات کا اعتراف حنفی وتقلیدی علماء نے بھی کیا ہے) اور باقی جو کچھ بھی ہے وہ نہ تو خلیفہ کا حکم ہے اور نہ خلیفہ کا عمل ،اور نہ خلیفہ کے سامنے لوگوں کا عمل ،ضعیف ومنقطع روایات کو وہی شخص پیش کرتا ہے جو خود ضعیف اور منقطع ہوتا ہے۔
دلیل نمبر ۱۰: کسی ایک صحابی سے باسند صحیح متصل بیس رکعات تراویح قطعاً ثابت نہیں ہیں۔ وتلك عشرة كاملة
لہذا ثابت ہوا کہ گیارہ رکعات سنتِ رسول ﷺ،سنت خلفائے راشدین اور سنتِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔
امام ابوبکر بن العربی (متوفی ۵۴۳ھ) نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:'' والصحيح أن يصلي إحدى عشرة ركعة صلاة النبي ﷺ وقيامه فأما غير ذلك من الأعداد فلا أصل له ''
اور صحیح یہ ہے کہ گیارہ رکعات پڑھنی چاہئے (یہی) نبی ﷺ کی نماز اور قیام ہے،اور اس کے علاوہ جو اعداد ہیں تو ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (عارضۃ الاحوذی شرح الترمذی:۱۹/۴)
امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:'' الذي آخذ لنفسي في قيام رمضان ، هو الذي جمع به عمر بن الخطاب الناس إحدى عشرة ركعة وهي صلوة رسول الله ﷺ ولا أدري من أحدث هذا الركوع الكثير '' میں تو اپنے لئے گیارہ رکعات قیامِ رمضان (تراویح) کا قائل ہوں اور اسی پر عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) نے لوگوں کو جمع کیا تھا،اور یہی رسول اللہ ﷺ کی نماز ہے، مجھے پتہ نہیں کہ لوگوں نے یہ بہت سی رکعتیں کہاں سے نکال لی ہیں؟ (کتاب التہجد :ص ۱۷۶ ح ۸۹۰، دوسرا نسخہ :ص ۲۸۷)
قارئین کرام! متعدد علماء (بشمول علماء احناف) سے گیارہ رکعات (تراویح) کا سنت ہونا ثابت ہے، چونکہ ہمارے پیارے نبی ﷺ اور خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے گیارہ رکعات ثابت ہیں۔ جیسا کہ اوپر گزرا ہے۔ لہذا ہمیں کسی عالم کا حوالہ دینے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ وفيه كفاية لمن له دراية
بیس تراویح پر اجماع کا دعوی باطل ہے:
اب آپ کی خدمت میں بعض حوالے پیشِ خدمت ہیں، جن میں سے ہر حوالہ کی روشنی میں اجماع کا دعوی باطل ہے۔
۱: امام مالک رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۹ھ) فرماتے ہیں:

'' الذي آخذ به لنفسي في قيام رمضان هو الذي جمع به عمر بن الخطاب الناس إحدى عشرة ركعة وهي صلاة رسول الله ﷺ ولا أدري من أحدث هذا الركوع الكثير ، ذكره ابن مغيث ''
میں اپنے لئے قیامِ رمضان (تراویح) گیارہ رکعتیں اختیار کرتا ہوں، اسی پر عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) نے لوگوں کو جمع کیا تھا اور یہی رسول اللہ ﷺ کی نماز ہے، مجھے پتہ نہیں لوگوں نے یہ بہت سی رکعتیں کہاں سے نکال لی ہیں؟ اسے ابن مغیث مالکی نے ذکر کیا ہے۔ (کتاب التہجد :ص ۱۷٦ فقرہ: ۸۹۰، دوسرا نسخہ ص: ۲۸۷ تصنیف عبدالحق اشبیلی متوفی ۵۸۱ھ)

تنبیہ: ۱ امام مالک سے ابن القاسم کی نقلِ قول: مردود ہے دیکھئے (کتاب الضعفاء لابی زرعۃ الرازی :ص ۵۳۴)
تنبیہ: ۲ یونس بن عبداللہ بن محمد بن مغیث المالکی کی کتاب ''المتہجدین'' کا ذکر سیر اعلام النبلاء (۵۷۰/۱۷) پر بھی ہے
عینی حنفی فرماتے ہیں کہ:'' وقيل إحدى عشرة ركعة وهو اختيار مالك لنفسه واختاره أبو بكر العربي ''
اور کہا جاتا ہے کہ تراویح گیارہ رکعتیں ہیں، اسے امام مالک اور ابوبکر العربی نے اپنے اپنے لئے اختیار کیا ہے۔
(عمدۃ القاری: ۱۲٦/۱۱ ح ۲۰۱۰)

۲: امام ابوحنیفہ سے بیس رکعات تراویح باسندِ صحیح ثابت نہیں ہیں، اس کے برعکس حنفیوں کے ممدوح محمد بن الحسن الشیبانی کی المؤطا سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ گیارہ رکعات کے قائل تھے۔

۳: امام شافعی رحمہ اللہ نے بیس رکعات تراویح کو پسند کرنے کے بعد فرمایا کہ:
'' وليس في شيء من هذا ضيق ولا حد ينتهى إليه لأنه نافلة فإن أطالوا القيام وأقلوا السجود فحسن وهو أحب إلي وإن أكثروا الركوع و السجود فحسن ''
اس چیز (تراویح) میں ذرہ برابر تنگی نہیں ہے اور نہ کوئی حد ہے، کیونکہ یہ نفل نماز ہے، اگر رکعتیں کم اور قیام لمبا ہو تو بہتر ہے اور مجھے زیادہ پسند ہے اور اگر رکعتیں زیادہ ہوں تو بھی بہتر ہے۔ (مختصر قیام اللیل للمروزی :ص ۲۰۲، ۲۰۳)
معلوم ہوا کہ امام شافعی نے بیس کو زیادہ پسند کرنے سے رجوع کر لیا تھا اور وہ آٹھ اور بیس دونوں کو پسند کرتے اور آٹھ کو زیادہ بہتر سمجھتے تھے، واللہ اعلم

۴: امام احمد رحمہ اللہ سے اسحاق بن منصور نے پوچھا کہ: رمضان میں کتنی رکعتیں پڑھنی چاہئیں؟ تو انہوں نے فرمایا:
'' قد قيل فيه ألوان نحواً من أربعين ، إنما هو تطوع ''
اس پر چالیس تک رکعتیں روایت کی گئی ہیں، یہ صرف نفلی نماز ہے۔ (مختصر قیام اللیل :ص ۲۰۲)
راوی کہتے ہیں کہ:'' ولم يقض فيه بشيء '' امام احمد نے اس میں کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ (کہ کتنی رکعتیں پڑھنی چاہئیں؟) (سنن الترمذی: ح ۸۰٦)

معلوم ہوا کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ بیس رکعات تراویح سنتِ موکدہ ہیں اوران سے کم یا زیادہ جائز نہیں ہیں۔

۵: امام قرطبی (متوفی ۶۵۶ھ) نے فرمایا:

" ثم اختلف في المختار من عدد القيام فعند مالك :أن المختار من ذلك ست و ثلاثون ...... وقال كثير من أهل العلم :إحدى عشرة ركعة أخذاً بحديث عائشة المتقدم "

تراویح کی تعداد میں علماء کا اختلاف ہے، امام مالک نے (ایک روایت میں) چھتیس رکعتیں اختیار کی ہیں......اور کثیر علماء یہ کہتے ہیں کہ گیارہ رکعتیں ہیں، انہوں نے سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی سابق حدیث سے استدلال کیا ہے۔ (المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم: ۳۸۹/۲، ۳۹۰)

تنبیہ: حدیث عائشہ: المفہم للقرطبی میں (۳۷۴/۲) پر " ما كان يزيد في رمضان ولا في غير على إحدى عشرة ركعة " کے الفاظ سے موجود ہے۔ امام قرطبی کے اس قول سے معلوم ہوا کہ جمہور علماء گیارہ رکعات کے قائل و فاعل ہیں۔

۶: قاضی ابوبکر العربی المالکی (متوفی ۵۴۳ھ) نے کہا:" والصحيح أن يصلى احد عشر ركعة صلوة النبي ﷺ وقيامه فأما غير ذلك من الأعداد ، فلا أصل له ولا حدفيه "

اور صحیح یہ ہے کہ گیارہ رکعات پڑھنی چاہئیں، یہی نبی ﷺ کی نماز اور یہی قیام (تراویح) ہے۔ اس کے علاوہ جتنی رکعتیں مروی ہیں ان کی (سنت میں) کوئی اصل نہیں ہے۔ (اور نفلی نماز ہونے کی وجہ سے) اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ (عارضۃ الاحوذی: ۱۹/۴ ح ۸۰۶)

۷: عینی حنفی (متوفی ۸۵۵ھ) نے کہا:" وقد اختلف العلماء في العدد المستحب في قيام رمضان على أقوال كثيرة ، وقيل إحدى عشرة ركعة "

تراویح کی مستحب تعداد کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ وہ بہت اقوال رکھتے ہیں......اور کہا جاتا ہے کہ تراویح گیارہ رکعتیں ہیں۔ (عمدۃ القاری: ۱۲۶/۱۱، ۱۲۷)

۸: علامہ سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) نے کہا:" أن العلماء اختلفوا في عددها "

بے شک تراویح کی تعداد میں علماء کا اختلاف ہے۔ (الحاوی للفتاوی: ۳۴۸/۱)

۹: ابن ہمام حنفی (متوفی ۶۸۱ھ) نے کہا:

" فتحصل من هذا كله أن قيام رمضان سنة إحدى عشرة ركعة بالوتر في جماعة فعله ﷺ "

اس ساری بحث سے یہ نتیجہ حاصل ہوا کہ وتر کے ساتھ تراویح گیارہ رکعتیں ہیں، اسے نبی ﷺ نے جماعت کے ساتھ

پڑھا ہے۔ (فتح القدیر شرح الھدایہ: ۱/۴۰۷)

۱۰: امام ترمذی فرماتے ہیں: '' **واختلف أهل العلم في قيام رمضان** ''

اور علماء کا قیام رمضان (کی تعداد) میں اختلاف ہے۔ (سنن الترمذی: ح ۸۰۶)

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ دیوبندیوں و بریلیوں کا یہ دعوی کہ '' بیس رکعات ہی سنت موکدہ ہیں۔ ان سے کم یا زیادہ جائز ہیں ہے'' غلط اور باطل ہے۔

یہ تمام حوالے انگریزوں کے دور کے پہلے کے ہیں، لہذا ثابت ہوا کہ بیس رکعات پر اجماع کا دعوی باطل ہے، جب اتنا بڑا اختلاف ہے تو اجماع کہاں سے آ گیا؟

مسئلہ تراویح کے ایک اشتہار پر نظر

میرے ایک دوست نے تھوڑی دیر پہلے مجھے ایک اشتہار دیا ہے جس میں یہ دعوی کیا ہے کہ مسنون تراویح بیس ہیں، اور یہ مطالبہ کیا ہے کہ اس کا مدلل جواب لکھا جائے لہذا یہ مختصر جواب انصاف پسند قاری کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

بیس رکعات تراویح کی سنت کا دعوی کرنے والے کی بات '' قولہ'' سے شروع کر کے اس کا جواب لکھا گیا ہے۔

قولہ: ''حدیث نمبرا: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بے شک رسول کریم ﷺ رمضان میں بیس رکعت (تراویح) اور وتر پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/۳۹۴)''

جواب: یہ حدیث موضوع من گھڑت ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۳۹۴) میں یہ روایت '' ابراہیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس'' کی سند کے ساتھ ہے، اس کے راوی ابراہیم کے بارے میں علامہ زیلعی حنفی (متوفی ۷۶۲ھ) فرماتے ہیں:

'' **قال أحمد منكر الحديث** '' امام احمد نے کہا: یہ منکر احادیث بیان کرتا تھا (نصب الرایہ: ۱/۵۳)

علامہ زیلعی حنفی رحمہ اللہ نے نصب الرایہ: ۲/۶۶ پر اس کی ایک حدیث کو ضعیف کہا اور ص ۶۷ پر بیہقی سے یہ قول کہ '' **وهو ضعيف** '' (وہ ضعیف ہے) نقل کیا ہے۔ اور ج ۲ ص ۱۵۳ پر ابوالفتح سلیم بن ایوب الرازی الفقیہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ '' **وهو متفق على ضعفه** '' (اور اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔)

امام عینی حنفی فرماتے ہیں: '' **كذبه شعبة وضعفه أحمد و ابن معين والبخاري والنسائي وغيرهم وأورد له ابن عدي هذا الحديث في الكامل في مناكيره** ''

اسے (ابراہیم بن عثمان) شعبہ نے کاذب (جھوٹا) کہا ہے اور احمد، ابن معین، بخاری اور نسائی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے اور ابن عدی نے اپنی کتاب الکامل میں اس حدیث کو اس شخص کی منکر روایات میں ذکر کیا ہے۔ (عمدۃ القاری: ۱۱/۱۲۸)

ابن ہمام حنفی نے فتح القدیر (۱/۳۳۳) اور عبدالحئ لکھنوی نے اپنے فتاوی (۱/۳۵۴) میں اس حدیث پر جرح کی ہے۔

جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:'' **وأما عشرون ركعه فهو عنه عليه السلام بسند ضعيف وعلى ضعفه اتفاق** ''
اور جو بیس رکعت ہیں تو وہ آپ ﷺ سے ضعیف سند کے ساتھ (مروی) ہے اور اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔
(العرف الشذی:۱/۱۶۶)

ان کے علاوہ اور بھی دیوبندی علماء نے اس حدیث اور اس کے راوی پر جرحیں کی ہیں ، مثلاً دیکھئے جناب محمد زکریا کاندھلوی دیوبندی تبلیغی کی ''اوجز المسالک (۱/۳۹۷) وغیرہ

ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان پر محدثین کی شدید جروح کے لئے دیکھئے میزان الاعتدال (۱/۴۷، ۴۸) تہذیب التہذیب (۱/۱۴۴، ۱۴۵) وغیرہما۔ علامہ سیوطی نے اس حدیث کے راوی پر شدید جرح کی اور کہا:'' **هذا حديث ضعيف جداً لا تقوم به حجة** '' یعنی یہ حدیث بہت زیادہ ضعیف ہے اس سے حجت قائم نہیں ہوتی۔ (الحاوی:۱/۳۴۷)

لہذا اسے کوئی تلقی بالقبول حاصل نہیں ہے بلکہ بڑے بڑے علماء مثلاً حافظ ذہبی علامہ زیلعی ، علامہ عینی ، علامہ ابن ہمام رحمہم اللہ وغیرہم نے تو اسے رد کردیا ہے یعنی اس روایت کو تلقی بالرد حاصل ہے ، لہذا ان پڑھ لوگوں کو دھوکا دینا انتہائی قابل مذمت ہے۔

قولہ: ''حدیث نمبر ۲: یحیی بن سعید فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت......''

جواب: یہ سند منقطع ہے۔

جناب نیموی (متوفی ۱۳۲۲ھ) لکھتے ہیں:'' **قلت رجاله ثقات لكن يحيى بن سعيد الأنصاري لم يدرك عمر** ''
میں کہتا ہوں اس کے راوی سچے ہیں لیکن یحیی بن سعید الانصاری نے عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔
(حاشیہ آثار السنن ص ۲۵۳ ح ۷۸۰)

ایسی منقطع اور بے سند روایات کو انتہائی اہم مسئلہ میں پیش کرنا آخر کون سے دین کی خدمت ہے؟

قولہ: ''حدیث نمبر ۳: امام حسنؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو......وہ انہیں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔ (نسخہ ابوداود)''

جواب: یہ بات سفید جھوٹ ہے ، ہمارے پاس سنن ابی داود کا جو نسخہ ہے اس میں یہ روایت بالکل نہیں ہے۔ ہمارے نسخے (۲/۱۳۶) پر جو روایت ہے اس میں '' **فكان يصلى لهم عشرين ليلة** ''
یعنی: وہ انہیں بیس راتیں پڑھاتے تھے۔ الخ کے الفاظ ہیں۔ امام بیہقی نے یہی حدیث امام ابوداود سے نقل کی ہے اس میں بھی بیس راتیں کا لفظ ہے۔ (السنن الکبری ۲/۴۹۸)

اسی طرح مشکوۃ المصابیح ، تحفۃ الاشراف وغیرہما میں بھی یہی حدیث ابوداود سے بیس راتیں کے لفظ کے ساتھ منقول ہے۔

حافظ زیلعی حنفی نے نصب الرایہ (۱۲۶/۲) میں ابوداود سے یہی حدیث " عشرین لیلة " یعنی بیس راتیں: کے لفظ کے ساتھ نقل کی ہے، اس کے علاوہ اور بھی بہت سے حوالے ہیں، انصاف پسند کے لئے یہی کافی ہے، اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

قولہ: ''حدیث نمبر۴: یزید بن رومانؒ فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان میں ۲۳ رکعات پڑھتے تھے۔''

جواب: یہ روایت منقطع ہے جیسا کہ علامہ عینی حنفی نے عمدۃ القاری (۱۱/۱۲۷ طبع دارالفکر) میں تصریح کی ہے۔

جناب نیموی رحمہ اللہ نے کہا: " یزید بن رومان لم یدرك عمر بن الخطاب "

یزید بن رومان نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ (آثار السنن، حاشیہ: ص ۲۵۳)

قولہ: ''حدیث نمبر۵: حضرت سائب بن یزید صحابیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اور عثمانؓ کے زمانہ میں لوگ رمضان میں ۲۰ رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔''

جواب: بیہقی (۴۹۶/۲) میں یہ الفاظ قطعاً نہیں ہیں کہ لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس (۲۰) رکعت پڑھتے تھے، لہذا یہ کاتب اشتہار کا عثمان رضی اللہ عنہ پر سفید جھوٹ ہے۔

دوسرے یہ کہ اس روایت کا ایک راوی علی بن الجعد تشیع کے ساتھ مجروح ہے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی تنقیص کرتا تھا۔ (دیکھئے تہذیب التہذیب وغیرہ) اس کی روایات صحیح بخاری میں متابعات میں ہیں، اور جمہور محدثین نے اس کی توثیق کی لیکن ایسے مختلف فیہ راوی کی شاذ روایت موطا امام مالک کی صحیح روایت کے خلاف کیوں کر پیش کی جا سکتی ہے؟

قولہ: ''حدیث نمبر۶: حضرت ابوعبدالرحمٰن السلمی سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے رمضان میں......الخ''

جواب: یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

بیہقی (۴۹۶/۲) پر اس کا ایک راوی حماد بن شعیب ہے، جسے امام ابن معین، امام نسائی، امام ابوزرعہ وغیرہم نے ضعیف کہا۔ امام بخاری نے "منکر الحدیث ...... ترکوا حدیثه" کہا: دیکھئے لسان المیزان (۳۴۸/۲) اس پر نیموی دیوبندی کی جرح کے لئے دیکھئے حاشیہ آثار السنن ص ۲۵۴

اس کا دوسرا راوی عطاء بن السائب مختلط ہے، زیلعی حنفی نے کہا:

" لکنه اختلط بآخره وجمیع من روی عنه في الاختلاط إلا شعبة و سفیان ...... "

لیکن وہ آخر میں اختلاط کا شکار ہو گیا تھا، اور تمام جنھوں نے اس سے روایت کی ہے اختلاط کے بعد کی ہے سوائے شعبہ اور سفیان کے۔ (نصب الرایہ: ۵۸/۳)

لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے ضعیف، منکر اور موضوع روایات چن چن کر اشتہار چھاپنا بہت ہی بری بات ہے، آخر ایک

دن ہم سب نے مرنا بھی تو ہے؟ اس دن کے لئے کیا جواب سوچ رکھا ہے؟

قولہ: ''حدیث نمبر ۷: ابوالحسناء فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ.....''

جواب: یہ سند بھی ضعیف ہے۔ ابوالحسناء مجہول ہے۔ (تقریب التہذیب: ۸۰۵۳، ص ۱۰۱۴ للحافظ ابن حجر)

حافظ ذہبی نے کہا: لایعرف، یعنی وہ معروف نہیں ہے۔ (میزان الاعتدال: ۵۱۵/۴)

نیموی دیوبندی نے بھی کہا: وھولایعرف (حاشیہ آثارالسنن: ص ۲۵۵)

قولہ: ''حدیث نمبر ۸: امام حسینؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے حکم دیا بیس رکعات پڑھاؤ.....(مسند زید ص ۱۳۹)''

جواب: کاتب اشتہار کا زیدی شیعوں کی من گھڑت مسند زید سے حوالہ پیش کرنا انتہائی تعجب خیز ہے، اس مسند کے راوی عمرو بن خالد الواسطی کو محدثین نے بالاتفاق کذاب اور جھوٹا قرار دیا ہے، امام احمد، امام ابن معین وغیر ہما نے کہا: کذاب (تہذیب التہذیب وغیرہ) وہ زید بن علی سے موضوع روایات بیان کرتا ہے۔ (تہذیب، میزان الاعتدال ۲۵۷/۳)

اس کا دوسرا راوی عبدالعزیز بن اسحاق بن البقال بھی غالی شیعہ اور ضعیف تھا، (دیکھئے لسان المیزان: ۲۵/۴ تاریخ بغداد: ۴۵۸/۱) اس کتاب میں بہت سی موضوع روایات ہیں، مثلاً دیکھئے مسند زید ص ۴۰۵ وغیرہ۔

قولہ: ''حدیث نمبر ۹: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیس تراویح پڑھاتے تھے۔ (قیام اللیل ص ۹۱)''

جواب: یہ سند منقطع ہے۔

قیام اللیل للمروزی کے ہمارے نسخے میں صفحہ ۲۰۰ پر یہ روایت بلاسند ''اعمش'' سے منقول ہے عمدۃ القاری: (۱۲۷/۱۱) پر ''حفص بن غیاث عن الاعمش'' کے ساتھ اس کی سند مذکور ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں مدینہ میں فوت ہوئے، جناب اعمش رحمہ اللہ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور مشہور ثقہ مدلس تھے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان کی پیدائش سے بہت عرصہ پہلے فوت ہو گئے تھے، لہذا اس قسم کی منقطع روایت ڈوبتے والے تنکوں کا سہارا لینے کے مترادف ہے، اس کی سند میں حفص بن غیاث بھی مدلس ہیں اور عن سے روایت کر رہے ہیں۔

قولہ: ''حدیث نمبر ۱۰: عطاء فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھتے پایا۔ (ابن ابی شیبہ: ۳۹۳/۲)''

جواب: یہ نہ قرآن ہے اور نہ حدیث اور نہ اجماع اور نہ عمل خلفائے راشدین اور نہ عمل صحابہ، دوسرے یہ کہ اس ترجمہ میں ''ہی'' کا لفظ غلط ہے، تیسرے یہ کہ نامعلوم لوگوں کا عمل کوئی شرعی حجت نہیں ہے، چوتھے یہ کہ نامعلوم لوگوں کا عمل خلیفہ راشد کے حکم کے خلاف ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے، پانچویں یہ کہ اہل المدینہ اکتالیس ۴۱ رکعات پڑھتے تھے (سنن ترمذی: ۱۶۶/۱) کیا ان کا یہ عمل شرعی حجت ہے۔ اشتہار پر مختصر تبصرہ ختم ہوا، وما علینا إلا البلاغ

حافظ شیر محمد

اللہ کے مؤمن بندوں سے محبت (۱)

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ مومنین (ایک دوسرے کے) بھائی بھائی ہیں (الحجرات:۱۰)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**لا تدخلون الجنة حتى تؤمنوا ولا تؤ منوا حتى تحابوا ، أو لا أدلكم على شيءٍ إذا فعلتموه تحاببتم ؟ أفشوا السلام بينكم**''

تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ ایمان لے آؤ، اور تم ایمان (مکمل) نہیں لا سکتے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو، کیا تمھیں وہ چیز نہ بتادوں، اگر تم اسے کرو تو آپس میں محبت کرنے لگو گے؟ السلام (یعنی السلام علیکم) کو اپنے درمیان پھیلا دو۔ (صحیح مسلم:۵۴/۹۳ دار السلام:۱۹۴)

آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''**لا یؤمن أحدکم حتی یحب لأخیه ما یحب لنفسه**''

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (پورا) مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے (خیر میں سے) وہی چیز پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (صحیح بخاری:۱۳ و صحیح مسلم:۴۵ والنسائی ۱۱۵/۸ ح ۵۰۲۰)

ایک مشہور حدیث میں آیا ہے کہ:

''**المسلم أخو المسلم ، لا يظلمه ولا يسلمه ، ومن كان فی حاجة أخيه كان الله فی حاجته ومن فرّج عن مسلم كربة فرّج الله عنه كربة من كربات يوم القيامة ، ومن ستر مسلماً ستره الله يوم القيامة**''

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ وہ اس پر ظلم ہونے دیتا ہے، جو آدمی اپنے بھائی کی (جائز) ضرورت پوری کرے گا، اللہ اس کی ضرورت پوری کرے گا، اور جس نے کسی مسلمان کی مصیبت دور کرنے میں مدد کی، اللہ اس کی مصیبت دور کرے گا اور جس نے کسی مسلمان (کی غلطی) پر پردہ ڈالا، اللہ قیامت کے دن اس پر پردہ ڈالے گا، (صحیح بخاری:۲۴۴۲ و صحیح مسلم:۲۵۸۰)

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''**سبعة يظلهم الله فی ظله يوم لاظل إلا ظله :الإمام العادل ، وشاب نشأ فی عبادة ربه ورجل قلبه معلق فی المساجد ، ورجلان تحابا في الله اجتمعا على ذلك وتفرقا عليه ، ورجل طلبته ذات منصب و جمال**

فقال:إني أخاف الله ، ورجل تصدق أخفى حتى لا تعلم شماله ماتنفق يمينه ورجل ذكر الله خالياً ففاضت عيناه "

سات آدمیوں کواللہ اپنے (عرش کے) سائے میں رکھے گا جس دن اس کے سائے کے بغیر کوئی سایہ نہیں ہوگا۔(۱)عادل حکمران (۲)اپنے رب کی عبادت میں پلا ہوانوجوان (۳)وہ آدمی جس کا دل مسجدوں (کے خیال) میں ہی لٹکا رہتا ہے۔ (۴)وہ دوآدمی جوایک دوسرے سے اللہ کے لئے محبت کرتے ہیں،اسی پراکٹھے ہوتے ہیں اوراسی پر جدا ہوتے ہیں (۵) وہ آدمی جسے خوبصورت اوراونچے درجے والی (عورت) بلائے (زنا کے لئے) تو کہہ دے: میں اللہ سے ڈرتا ہوں (۶) وہ آدمی جو(اتنے خفیہ طور پر غریب کو) صدقہ دے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی خبر نہ لگے یعنی لوگوں کو پتہ ہی نہ چلے (۷) اور وہ آدمی جو اکیلا ہوتو اللہ کو یاد کرے تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگیں۔(صحیح بخاری:۶۶۰ وصحیح مسلم:۱۰۳۱)

ہمارا پیارا رب فرماتا ہے:" حقت محبتي على المتحابين في"

جولوگ میری وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں،ان کے لئے میری محبت واجب ہوگئی (مسند احمد رزوائد عبداللہ بن احمد ۵/۳۲۸ وسندہ صحیح)

اس قدسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ یہ لوگ نور کے منبروں پر تشریف فرما ہوں گے اورانہیں دیکھ کرانبیاء اورصدیقین خوشی کا اظہار کررہے ہوں گے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:" ثلاث من كن فيه وجد حلاوة الإيمان :أن يكون الله ورسوله أحب إليه مماسواهما وأن يحب المرء لا يحبه إلا لله وأن يكره أن يعود في الكفر كما يكره أن يقذف في النار "

جس شخص میں تین (صفتیں) ہوں اس نے ایمان کی مٹھاس پالی (۱)اس کے نزدیک اللہ اوررسول سب سے زیادہ محبوب ہوں (۲)وہ جس آدمی سے محبت کرے صرف اللہ کے لئے محبت کرے (۳)اسے کفر میں لوٹ جانا اس طرح ناپسند ہو جیسے آدمی آگ میں گرنا ناپسند کرتا ہے (البخاری:۱۶ مسلم:۴۳)

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں:"المؤمن للمؤمن كا لبنيان يشد بعضه بعضاً، ثم شبك بين أصابعه"

(ہر) مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت (کی دیواروں) کی طرح ہے،جس کا ہر حصہ دوسرے حصے کومضبوط رکھتا ہے، آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کوایک دوسرے میں پھنسا کرسمجھایا۔(البخاری:۶۰۲۶ ومسلم:۲۵۸۵)

ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ:" مثل المؤمنين في توادهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد، إذا اشتكى من عضو، تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى "

ایک دوسرے کے ساتھ محبت، جذبہِ رحم اور ہمدردی میں مومنوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے۔جب جسم کا کوئی حصہ

دکھتا ہے تو سارا جسم بے آرامی اور بخار کے ساتھ پریشان رہتا ہے۔ (مسلم:۲۵۸۶ واللفظ لہ، البخاری:۶۰۱۱)
ایک دوسری روایت میں ہے کہ :

'' المسلمون کرجل واحد ، إن اشتکی عینه اشتکی کله وإن اشتکی رأسه اشتکی کله ''

تمام مسلمان ایک آدمی کی مثال ہیں۔ اگر اس کی آنکھ دکھتی ہے تو وہ سارا (جسم) بیمار رہتا ہے اور اگر اس کا سر دکھتا ہے تو سارا (جسم) بیمار رہتا ہے (مسلم:۲۵۸۶ دارالسلام:۶۵۸۹)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' لا یحل لمسلم أن یھجر أخاہ فوق ثلاث لیال ''

کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے کہ اپنے بھائی سے، تین (دن) راتوں سے زیادہ بائیکاٹ کرے۔
(البخاری:۶۰۷۳۔۶۰۷۵)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا و کونوا عباداللہ إخواناً ، ولا یحل لمسلم أن یھجر أخاہ فوق ثلاثة أیام ''

نہ ایک دوسرے سے بغض کرو اور نہ حسد کرو، اور نہ قطع تعلق کر کے ایک دوسرے کے دشمن بن جاؤ، اور (تم سب) اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ، کسی مسلمان کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے (مسلمان) بھائی سے تین دن سے زیادہ بائیکاٹ کرے (البخاری:۶۰۶۵ و مسلم:۲۵۵۹)

محدث فضیل بن غزوان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

(امام) ابواسحاق (السبیعی) کے نابینا ہو جانے کے بعد، میں ان سے ملا تو انہوں نے مجھے سینے سے لگا لیا۔ میں نے پوچھا: آپ مجھے جانتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: جی ہاں، اللہ کی قسم میں تجھے جانتا ہوں اور تجھ سے محبت کرتا ہوں۔ الخ

ایک روایت میں آیا ہے کہ:

'' تعرض أعمال الناس فی کل جمعة مرتین ، یوم الإثنین ویوم الخمیس، فیغفر لکل عبد مؤمن إلا عبداً بینه وبین أخیه شحناء، فیقال: اترکوا أو ارکوا ھذین حتی یفیئا ''

لوگوں کے اعمال (اللہ پر) ہر ہفتے دو دفعہ پیش ہوتے ہیں، سوموار اور جمعرات کے دن، پس ہر مؤمن بندے کی مغفرت کر دی جاتی ہے سوائے اس بندے کے جس کے (مسلمان) بھائی اور اس کے درمیان دشمنی (اور بائیکاٹ) ہے۔ کہا جاتا ہے: انہیں (اس وقت تک) چھوڑ دو جب تک یہ دونوں صلح کر لیں۔ (مسلم:۳۶/۲۵۶۵ و دارالسلام:۶۵۴۷)

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: '' کل المسلم علی المسلم حرام، دمه وماله و

عرضه "　ہر مسلمان کا خون، مال اور عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے (مسلم: ۲۵۶۴ دارالسلام: ۶۵۴۱)
رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:
'' المؤ من مرآة المؤمن ، والمؤمن أخوا لمؤمن ، يكف عليه ضيعته ويحوطه من ورائه''
مؤمن مؤمن کا آئینہ ہے، مؤمن مؤمن کا بھائی ہے، وہ اس کا نقصان نہیں ہونے دیتا اور اس کی غیر حاضری میں اس (کے مال، عزت اور حقوق) کی حفاظت کرتا ہے۔ (سنن ابی داوٗد: ۴۹۱۸ وإسنادہ حسن)
ایک دفعہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے اپنے گھر میں (کھانا لانے کے لئے) جواب بھیجا تو بتایا گیا کہ: پانی کے سوا گھر میں کچھ بھی نہیں ہے۔
پھر رسول اللہ ﷺ نے (اپنے صحابہ کو) فرمایا: اس آدمی کی کون میز بانی کرتا ہے؟
ایک انصاری نے کہا: میں، وہ (انصاری) اس آدمی کو لے کر اپنے گھر چلا گیا (ان دنوں پردے کے احکام نہیں ہوں گے) انصاری صحابی نے اپنی بیوی سے کہا: رسول اللہ ﷺ کے مہمان کی (عزت و) تکریم کرو، وہ کہنے لگیں: ہمارے پاس صرف ہمارے بچوں کا ہی کھانا ہے، اس پر انصاری نے کہا: لے آؤ، چراغ جلاؤ اور بچوں کو، اگر کھانا مانگیں تو سلادو (آہستہ سے) پس اس (انصاری کی بیوی) نے کھانا تیار کیا، چراغ جلایا اور اپنے بچوں کو سلادیا۔ پھر وہ چراغ ٹھیک کرنے کے لئے اٹھی تو اسے بجھادیا۔ وہ دونوں اپنے مہمان کو (ہاتھوں کی حرکت سے) یہ دکھارہے تھے کہ وہ (بھی) کھانا کھارہے ہیں۔ (مہمان نے کھانا کھایا) اور وہ دونوں ساری رات بھوکے رہے۔ جب صبح ہوئی تو وہ (انصاری) رسول اللہ ﷺ کے پاس (مہمان کو لے کر) گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آج رات اللہ تعالیٰ تمہارے (اس) اس کام کی وجہ سے ہنسا، پس اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿اور اگر چہ وہ بھوکے بھی ہوں تو اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور جس نے اپنے آپ کو بخل سے بچا لیا تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں﴾ [سورۃ الحشر: ۹] (صحیح البخاری، کتاب مناقب الأنصار باب ۱۰ ح ۳۷۹۸) رضی اللہ عنہم اجمعین

ان دلائل شرعیہ سے معلوم ہوا کہ:

۱: ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا احترام کرنا لازم ہے۔
۲: اللہ کے مؤمن بندوں کو ایک دوسرے سے محبت کرنی چاہئے۔
۳: ظلم، قتل، چوری، ڈاکہ، غیبت، چغلی، تکبر اور دوسرے کو حقیر و ذلیل سمجھنا حرام ہے۔
۴: بغیر شرعی عذر کے ایک دوسرے سے بائیکاٹ کرنا حرام ہے۔
۵: اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے ہر وقت قربانی اور ایثار کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

بھائیو!

ایک دوسرے سے محبت کرو، کسی پر ظلم نہ کرو، ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑاؤ، پیار ومحبت سے بھائی بھائی بن کر دنیا میں رہو، ایک دوسرے کا احترام کرو، کسی بھائی سے اگر غلطی ہوجائے تو اس کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اس پر پردہ ڈالو۔

(کتا ب الإخوان لابن أبي الدنیا ص۱۰۰ح ۱۴ وإسنادہ حسن)

شذرات الذهب

ابومعاذ بن مجدد

عبدالحئ لکھنوی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''وھذا ھو مذھب جماعة من المحدثین جزاھم اللہ یوم الدین ، ومن نظر بنظر الإنصاف و غاص في بحار الفقه والأصول مجتنباً عن الإعتساف یعلم علماً یقینیاً إن أکثر المسائل الفرعیة والأصلیة التي اختلف العلماء فیھا فمذھب المحدثین فیھا أقوی من غیرھم ،وإني کلما أشیر في شعب الإختلاف أجد قول المحدثین فیه قریباً من الإنصاف ، فلله درھم وعلیه شکرھم ، کیف لا وھم ورثة النبي ﷺ حقاً و نواب شرعه صدقاً حشرنا اللہ في زمرتھم وأماتنا علی حبھم و سیرتھم''

یہ ہے محدثین کی جماعت کا مذھب، اللہ انہیں قیامت کے دن جزائے خیر دے۔ جو شخص انصاف کی نظر سے دیکھے، تعصب اور بے راہ روی سے بچتے ہوئے فقہ واصول کے سمندروں کی غوطہ زنی کرے وہ اس کا یقینی علم رکھتا ہے کہ اکثر فروعی واصولی مسائل جن میں علماء کا اختلاف ہے ان میں دوسروں کے مقابلے میں محدثین کا مسلک سب سے زیادہ قوی ہے۔ میں جب اختلاف کی گھاٹیوں کی طرف اشارہ کرتا ہوں (اور چلتا ہوں) تو محدثین کا قول (ہی) انصاف کے قریب پاتا ہوں۔ یہ خوبی وکمال اللہ ہی کی طرف سے ہے اور وہی انہیں اجر دے گا۔ ایسا کیوں نہ ہو، وہی تو نبی ﷺ کے برحق وارث اور آپ ﷺ کی شریعت کے سچے نمائندے ہیں۔ اللہ ہمیں انہی (محدثین) کے گروہ میں اٹھائے اور ہمارا خاتمہ انہی کی محبت و سیرت (کی اقتداء) پر ہو۔ (امام الکلام ص ۲۱٦)

امام احمد بن سنان الواسطی (متوفی ۲۵۹ھ) فرماتے ہیں:

'' لیس فی الدنیا مبتدع إلا و ھو یبغض أھل الحدیث و إذا ابتدع الرجل نزع حلاوة الحدیث من قلبه''

دنیا میں جتنے بھی بدعتی ہیں وہ سب اہل الحدیث سے بغض رکھتے ہیں۔ آدمی جب بدعتی ہوجاتا ہے تو حدیث کی مٹھاس اس کے دل سے نکل جاتی ہے (معرفة علوم الحدیث للحاکم ص۴ ح و سندہ صحیح)